بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

رجسٹرڈ ای پی نمبر ۸۶۱

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ

بدر

ہفت روزہ

قادیان

شرح چندہ سالانہ
چھ روپے
فی پرچہ
۲/
اڑھائی آنہ

ایڈیٹر
برکات احمد راجیکی
اسسٹنٹ ایڈیٹر
محمد حفیظ بقاپوری

ترسیل زر و انتظامی امور کے متعلق مینیجر کو لکھیں

تواریخ اشاعت:- ۷-۱۴-۲۱-۲۸

جلد ۲	۱۴ ماہ تبلیغ ۱۳۳۲ ہش ۲۹ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء	نمبر ۶

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱- جو تارک نماز ہے وہ تارک ایمان ہے!

جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے۔ وہ ایمان کو چھوڑتا ہے۔ اس سے خدا کے ساتھ تعلقات میں فرق آجاتا ہے۔ اصل میں مسلمانوں نے جب سے نماز کو ترک کیا۔ یا اسے دل کی تسکین آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا شروع کیا ہے۔ تب ہی اسے اسلام کی حالت بھی معرض زوال میں آئی ہے۔ وہ زمانہ جس میں نمازیں سنوار کر پڑھی جاتی تھیں غور سے دیکھ لو کہ اسلام کے واسطے کیسا تھا۔ ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا جب اسے ترک کیا۔ وہ خود متروک ہوگئے ہیں۔ درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال لیتی ہے۔ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے۔ ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں۔ کہ خدا نے اس امر کو حل اور آسان کر دیا ہوتا ہے۔ ایک عرض کرتا ہے التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ دوسرا اس کی عرض کو اچھی طرح سنتا ہے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے۔ کہ جو سنتا تھا وہ بولتا ہے۔ اور گزارش کرنے والے کو جواب دیتا ہے۔ نمازی کا یہی حال ہے۔ خدا کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ اور خدا کو اپنے مصائب اور حوائج سناتا ہے پھر آخر اور سچی اور حقیقی نماز کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ ایک وقت جلد آجاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اس کے جواب کیواسطے بولتا اور اس کو جواب دیکر تسلی دیتا ہے۔ بھلا یہ بجز حقیقی نماز کے ممکن ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور پھر جن کا خدا ہی ایسا نہیں وہ بھی گئے گزرے ہیں۔ ان کا کیا دین اور کیا ایمان ہے۔ وہ کس امید پر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں۔ (الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

۲- حکام اور برادری سے تعلق

ہماری تعلیم تو یہ ہے کہ سب سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی سچی اطاعت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ حفاظت کرتے ہیں۔ جان اور مال ان کے ذریعہ امن میں ہے اور برادری کے ساتھ بھی نیک سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ برادری کے بھی حقوق ہیں۔ البتہ جو متقی نہیں۔ اور بدعات و شرک میں گرفتار ہیں۔ اور ہمارے مخالف ہیں۔ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے تاہم ان سے نیک سلوک کرنا ضروری چاہیئے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے۔ کہ ہر ایک سے نیکی کرو۔ جو دنیا میں کسی سے نیکی نہیں کرسکتا۔ وہ آخرت میں کیا اجر لے گا۔ اس لئے سب کے لئے نیک اندیش ہونا چاہیئے۔ ہاں مذہبی امور میں آپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔ جس طرح پر طبیب ہر مریض کی خواہ ہندو ہو یا عیسائی یا کوئی ہو۔ غرض سب کی تشخیص اور علاج کرتا ہے۔ اسی طرح پر نیکی کرنے میں عام اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ (الحکم ۱۷ اگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۶)

۳- تمام اشیائے منشی سے پرہیز کی تاکید

اے عقلمندو! دنیا ہمیشہ کی جگہ نہیں۔ تم سنبھل جاؤ۔ تم ہر ایک بے اعتدالی کو چھوڑ دو۔ ہر ایک نشہ کی چیز کو ترک کرو۔ انسان کو تباہ کرنے والی صرف شراب ہی نہیں۔ بلکہ افیون۔ گانجا۔ چرس۔ بھنگ۔ تاڑی۔ اور ہر ایک نشہ جو ہمیشہ کیلئے عادت کر لیا جاتا ہے۔ وہ دماغ کو خراب کرتا اور آخر ہلاک کرتا ہے۔ سو تم اس سے بچو۔ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کہ تم کیوں ان چیزوں کو استعمال کرتے ہو۔ جنکی شامت سے ہر ایک سال ہزارہا تمہارے جیسے نشہ کے عادی اس دنیا سے کوچ کرتے جاتے ہیں۔ یورپ کے لوگوں کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کیوجہ سے یا پرانی عادت کیوجہ سے۔ مگر اے مسلمانو تمہارے نبی علیہ السلام تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے۔ جیسا کہ وہ فی الحقیقت معصوم ہیں۔ سو تم مسلمان کہلا کر کس کی پیروی کرتے ہو۔ قرآن انجیل کی طرح شراب کو حلال نہیں ٹھیراتا۔ پھر تم کس دستاویز سے شراب کو حلال ٹھیراتے ہو۔ کیا مرنا نہیں ہے۔ (فتوی احمدیہ جلد دوم صفحہ ۱)

بھائی حمید احمد ... پرنٹر و پبلشر نے ... پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز

کی

صحت کے متعلق تازہ اطلاع

(ربوہ مبارک) - مورخہ ۱۲ر فروری ۵۲ء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم - اے مدظلہ العالی بذریعہ تار اطلاع فرماتے ہیں - کہ :-

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طبیعت بعارضہ زکام اور کھانسی علیل ہے - احباب اپنے مقدس آقا کی صحت کاملہ وعاجلہ اور درازیٔ عمر اور مقاصد عالیہ میں کامیابی کے لئے مسلسل دعائیں فرماتے رہیں ۔

مجلس احرار کی بہتان طرازی اور جھوٹے پراپیگنڈا کا جواب

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے قلم سے

آجکل احرار کی طرف سے پاکستان میں احمدیہ جماعت کے خلاف جھوٹا اور بے بنیاد پراپیگنڈا کیا جا رہا ہے - اور ایسی باتیں جماعت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں - جو سراسر خلاف واقعہ اور جھوٹ ہیں - ۱۹۳۵ء میں بھی اسی طرح کا فتنہ احراریوں کی طرف سے اٹھایا گیا تھا - اور یہ الزام لگایا گیا تھا کہ گویا نعوذ باللہ احمدیہ جماعت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھتی ہے - قادیان کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر فضیلت دیتی ہے - اور یہ کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ اروا حنا) کی ہتک کی ہے -

اس وقت حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ کی طرف سے احرار کو چیلنج مباہلہ دیا گیا - کہ اگر احرار اپنے ان الزامات میں سچے ہیں تو وہ احمدیہ جماعت کے ساتھ مباہلہ کریں - اور خدا تعالےٰ سے فیصلہ چاہیں - لیکن مجلس احرار چونکہ جانتی تھی کہ ان کے الزامات جھوٹے اور بے بنیاد اور محض پولیٹکل سٹنٹ ہیں - اس لئے انہوں نے اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہ کی -

لیکن سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ نے ان پر حجت پوری کرنے کے لئے اپنی طرف سے مندرجہ ذیل قسم شائع کردی اور تحریر فرمایا کہ خواہ احرار مباہلہ کریں یا نہ کریں - اللہ تعالےٰ ضرور جماعت کی نصرت اور تائید فرمائیگا - چنانچہ اس قسم کے نتیجہ میں احرار اپنی شرارت اور شورش میں ناکام ہوئے - اور احمدیہ جماعت اس فتنہ کے بعد بفضلہ تعالےٰ اکناف عالم میں سرعت کے ساتھ پھیل گئی - اب بھی انشاء اللہ اس شورش پسند ٹولے کا یہی حشر ہوگا - حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کی قسم کے الفاظ یہ ہیں :- (ایڈیٹر)

" اے بھائیو! احرار کے مذکورہ بالا جواب کی حقیقت سے آپ کو آگاہ کرنے کے لئے مباہلہ کا انتظار کئے بغیر ہی میں اُس خدائے قہار و جبار مالک و مختار - معزّ و مذل محیی و ممیت کی قسم کھا کر کہتا ہوں - جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میرا اور سب جماعت احمدیہ کا بحیثیت جماعت یہ عقیدہ ہے (اور اگر دوسرا شخص اس کے خلاف لیتا ہے تو وہ مردود ہے اور ہم میں سے نہیں) کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم افضل الرسل اور سید ولد آدم تھے یہی تعلیم ہمیں بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے دی ہے - اور اسی پر ہم قائم ہیں - رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اپنے آپ کو جانتے ہیں - اور سب عزتوں سے زیادہ اس عزت کو سمجھتے ہیں -

بے شک ہم بانی سلسلہ احمدیہ کو خدا کا مامور اور مرسل اور دنیا کے لئے ہادی سمجھتے ہیں لیکن ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپؐ کی شاگردی سے ملا تھا - اور آپؑ کی بعثت کا مقصد صرف اسلام کی اشاعت - قرآن کریم کی عظمت کا قیام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کو جاری کرنا تھا - اور جیسا کہ آپؑ نے خود فرمایا ہے :-

این چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمال محمدؐ است
وایں آتشم ز آتش مہر محمدی ست
وایں آب من ز آب زلال محمدؐ است

آپ جو نور دنیا میں پھیلاتے تھے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک شعلہ تھا اور بس آپ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ تھے - اور نہ ان کے مد مقابل - اور اسی طرح یہ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دنیا کے دوسرے سب مقامات سے جن میں قادیان بھی شامل ہے افضل اور اعلیٰ ہیں - اور ہم احمدی بحیثیت جماعت ان دونوں مقامات کی گہری عزت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں اور ان کی عزت پر اپنی عزت کو قربان کرتے ہیں - اور آیندہ کرنیکے لئے تیار ہیں - اور میں خدائے واحد و قہار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس اعلان میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہا - میرا دل سے یہی ایمان ہے - اور اگر میں جھوٹ سے یا اخفاء یا دھوکہ سے کام لے رہا ہوں تو میں اللہ تعالےٰ سے عاجزانہ دعا کرتا ہوں کہ اے خدا! ایک جماعت کا امام ہونے کے لحاظ سے اس قسم کا دھوکہ دینا نہایت خطرناک فساد پیدا کر سکتا ہے - پس اگر میں نے اوپر کا اعلان کرنے میں جھوٹ، دھوکے یا چالبازی سے کام لیا ہے تو مجھ پر، میرے بیوی بچوں پر لعنت کر - لیکن اگر اے خدا! میں نے یہ اعلان سچے دل سے اور نیک نیتی سے کیا ہے - تو پھر اے میرے رب! یہ جھوٹ جو بانی سلسلہ احمدیہ کی نسبت میری نسبت اور سب جماعت احمدیہ کی نسبت بولا جاتا ہے - تو اس کے ازالہ کی خود ہی کوئی تدبیر کر - اور اس ذلیل دشمن کو جو ایسا گندہ الزام ہم پر لگاتا ہے یا تو ہدایت دے یا پھر اسے ایسی سزا دے کہ وہ دوسروں کے لئے عبرت کا موجب ہو - اور جماعت احمدیہ کو اس تکلیف کے بدلہ میں جو صرف سچائی کو قبول کرنے کی وجہ سے دیجاتی ہے - عزت - کامیابی اور غیر معمولی نصرت عطا کر - کہ تو ارحم الراحمین ہے - اور مظلوموں کی فریاد کو سننے والا ہے - اللّٰھم آمین -

اے سننے والو سنو! کہ میں نے اپنی طرف سے قسم کھالی ہے - اور قسم کھا کر اس عقیدہ کا اعلان کر دیا جس پر میں اول دن سے قائم ہوں - اب احرار یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں مباہلہ سے گریز کرتا ہوں میں اللہ تعالےٰ سے امید کرتا ہوں - کہ مباہلہ ہو یا نہ ہو اللہ تعالےٰ کی نصرت اس میری قسم کی وجہ سے جماعت احمدیہ کو نصیب ہوگی - اور پیش آمدہ ابتلاؤں یا آئندہ آنے والے ابتلاؤں سے ان کو نقصان نہ پہنچے گا بلکہ انہیں زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل ہوگی - بے شک ابتلاء خدا تعالےٰ کی قائم کردہ جماعتوں کے لئے ضروری ہیں - مگر اصل شے نتیجہ ہے - جو ہمیشہ ان کے حق میں اچھا اور ان کے دشمن کے حق میں برا ہوتا ہے اور اب بھی خدا تعالےٰ کے فضل سے جماعت سے یہی سلوک ہوگا "

منقول از ٹریکٹ

مورخہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۵ء

درخواست ہائے دعا

(۱) میرے بھائی نذیر احمد صاحب کی اہلیہ لاہور میں بیمار ہیں - اور والدہ محترمہ نے بھی آنکھوں کا اپریشن کرایا ہؤا ہے - نیز میری اہلیہ کے بھی پیشانی پر زخم آجانے کی وجہ سے تکلیف ہے - احباب سے سب کی شفائے کاملہ کے لئے دعا کی درخواست ہے -

خاکسار بشیر احمد سیالکوٹی محرر دفتر حفاظت ربوہ

(۲) خاکسار کے والد جناب طبیب شیخ جعفر صاحب سکنہ کیرنگ بعمر ۱۰۴ سال مورخہ ۲۸ ۱/۵۲ کو انتقال فرما گئے - انا للہ وانا الیہ راجعون - احباب کرام دعا فرمادیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلےٰ مقام عطا فرمادے اور ہمارا حافظ و ناصر ہو - آمین

خاکسار شیخ شاہجہان احمدی

(۳) مکرم برادر عبد الوحید صاحب تاجر گنجی (میسور) ہمارے نو احمدی بھائی ہیں - ان کو تجارتی رنگ میں کئی سال سے خسارہ ہو رہا ہے - احباب ان کی مشکلات کے ازالہ اور دینی و دنیوی ترقی کے لئے دعا فرمائیں -

(۴) میرے لڑکے عزیز نیاز احمد کا امتحان ہے - احباب اس میں نمایاں کامیابی کے لئے دعا فرمائیں نیز مغربی ہندوستان میں جماعت کی ترقی اور سربلندی کے لئے بھی دعا فرمائیں -

خاکسار ڈاکٹر محمد حسین گنجی (ریاست میسور)

(۵) مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب بی - اے واقف زندگی نائب ناظر بیت المال ربوہ عرصہ سے بیمار چلے آتے ہیں - کبھی افاقہ ہوتا ہے اور کبھی پھر بیماری عود کر آتی ہے - احباب سے خاص طور پر درخواست دعا ہے کہ وہ اس مخلص اور کارآمد خادم سلسلہ کو خاص طور پر اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں - خاکسار برکات احمد راجیکی -

خطبہ جمعہ

نئے سال میں نئے ارادے نئی کوشش اور نئی تدبیروں کے ساتھ اپنے پروگرام پر عمل کرو

وقت کو ضائع نہ کرو اور بار بار انفرادی اور اجتماعی طور پر غور کرو کہ ہمارا کیا پروگرام تھا اور ہم نے اب تک کس حد تک اس پر عمل کیا ہے

از سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز!

فرمودہ ۹ / جنوری ۱۹۵۳ء بمقام ربوہ

خطبہ نویس:- مکرم سلطان احمد صاحب پیر کوٹی

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں جمعہ کے لئے آ تو گیا ہوں۔ لیکن دو دن سے میری لات میں درد شروع ہو گیا ہے۔ میں ایک گھٹنے پر نی کیپ (Knee Cap) باندھ کر مسجد میں آیا ہوں۔ ورنہ مجھ سے ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اور میرے لئے مسجد کر آنا مشکل ہے بہر حال چونکہ

نیا سال شروع ہو گیا تھا

اور اسے ہمیں نئے عزم نئے ارادے نئی کوشش اور نئی تدبیروں کے ساتھ شروع کرنا چاہیئے۔ اسلئے میں مسجد میں آ گیا ہوں۔ ہم نے اپنی زندگی میں بہت سے پروگرام بنائے۔ اور شائد ان میں سے بہت سے توڑ دے۔ اور بہت سوں میں کامیاب ہوئے لیکن اگر ہم غور سے اپنے پروگراموں پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ جہاں تک منہگا جو کاموں کا سوال ہے۔ اس میں تو ہم کامیاب رہے ہیں یعنی ایک کے بعد دوسرا آدمی کام سنبھالنے والا ملتا رہا۔ لیکن جہاں تک انفرادی سوال ہے ہم میں

استقلال کی روح

نہیں پائی گئی یعنی کئی نوجوان ایسے آئے۔ جنہوں نے پانچ چھ سال کام کیا اور گئے۔ کئی نوجوان ایسے آئے جنہوں نے دس گیارہ سال کام کیا اور گئے۔ ایسے آدمی جو عزم کے وقت سے لے کر موت تک اس پر قائم رہیں بہت کم آتے ہیں اس لئے ہمیں اپنے لئے پروگرام شروع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو وقت پر بیدار کر لینا چاہیئے۔ مثلاً اب ہمارا نیا سال شروع ہوا ہے۔ ہماری مشکلات پہلے سے زیادہ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مشکلات ایک رنگ میں زیادہ تھیں اور ایک رنگ میں کم تھیں۔ دس پندرہ آدمی ایسے تھے جو بوجھ برداشت کر کے اپنے کام محبوؐ کرما دیاں آ گئے تھے۔ اور وہ آپ کے کام میں ہاتھ بٹا رہے تھے۔ اور باقی مالی امداد کرتے تھے اس وقت مالی امداد کام کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ آج مالی امداد کی نسبت

کام زیادہ اہمیت رکھتا ہے

اس وقت اگر جماعت خدانخواستہ ناکام ہو جاتی تو خطرہ بہت کم تھا۔ اب خطرہ بہت زیادہ ہے کیونکہ جماعت میں سے ایک دو کا ایسا نکل آنا جن کو دنیا سر پھرے کہتی ہے۔ تم انہیں مستقل مزاج سمجھ لو۔ زیادہ مشکل نہیں۔ ایسے لوگ مل جاتے ہیں تماشا دیکھنے والے جو ہجوم کو دیکھ لو کتنے احمق ہوتے ہیں لیکن دنیا میں ایسے بیوقوف پائے جاتے ہیں۔ جو شاد دو لے کے چوہے بناتے رہتے ہیں۔ پس پہلے زمانہ میں صرف چند سر پھروں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اور وہ کثرت سے مل جاتے تھے۔ لیکن سینکڑوں اور ہزاروں سر پھروں کی ضرورت ہے۔ اور اتنی تعداد میں سر پھرے ملنے مشکل ہیں۔ جماعت کی نسبت کے لحاظ سے اب کارکن زیادہ ہیں۔ پہلے کارکن کم تھے۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مبلغ نہیں تھے۔ آپ کتابیں لکھتے تھے۔ اور انہیں شائع کر دیتے تھے۔ شروع میں آپ کے پاس پریس تک نہیں تھا۔ آپ کی کتابیں عیسائیوں کے پریس میں چھپتی رہیں۔ بعد میں ایک مسلمان کے پریس میں چھپنے لگیں اور پھر اپنا پریس قائم ہوا جو صرف دستی پریس تھا پس اس زمانہ میں اس لحاظ سے مشکلات زیادہ تھیں کہ ذرائع کم تھے۔ لیکن اس لحاظ سے مشکلات کم تھیں کہ کارکن تھوڑے تھے۔ اور تھوڑے سے کارکنوں سے کام لینا آسان ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جماعت اس زمانہ میں محفوظ تھی۔ آج ذرائع بے شک زیادہ ہیں۔ لیکن مشکلات بھی پہلے سے بڑھ گئی ہیں۔ آج کام کرنے والوں کی نگرانی کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر اس وقت ہمیں کوئی

خطرناک مالی ٹھوکر

لگی۔ جیسے اس کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ تو تم میں سے بہت سے ایسے آدمی ہوں گے۔ جواب تو صدقے جاؤں! واری جاؤں! کہہ رہے ہیں۔ لیکن اس وقت وہ بوریا بستر باندھ کر یہاں سے چلے جائیں گے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے یہ بات کہی۔ تو انہیں بہت بری لگی۔ اور انہوں نے کہا استاد ہم تو آپ کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ کہ ہم بھاگ جائیں گے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے

فرمایا کہ ایک شخص جو اس وقت میرے پیالہ میں کھانا کھا رہا ہے۔ اور اس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے بعض دفعہ چھو جاتا ہے۔ وہ آج تک مجھے پکڑوا دیگا۔ اس وقت تین آدمی تھے۔ جن میں سے ایک نکل گیا۔ ۲ باقی رہ گئے۔ پطرس نے کہا اے استاد کیا یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہم آپ کو چھوڑ دیں۔ ہمیں تو آپ ہمارے مال و جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا اے پطرس صبح مرغ اس وقت تک اذان نہیں دے گا۔ جب تک کہ تو مجھ پر تین دفعہ لعنت نہ ڈال لے۔ پس ایسی کمزور طبائع بے شک ہوتی ہیں۔ صرف موجودہ اخلاص اور موجودہ حالت کو نہیں دیکھا جاتا آج اگر کوئی شخص مخلص ہوتا ہے۔ تو پرسوں کو وہ بھاگ جاتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا۔ کہ تم میں سے درجنوں نوجوان جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں آج بھاگے ہوئے ہیں۔ بعض نوجوانوں نے تو شرافت سے نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن بعض مختلف قسم کے بہانے بنا بنا کر اور گند اچھال کر بھاگے ہیں۔

پس چونکہ اس وقت

خطرات زیادہ ہیں

اس لئے ہمیں اپنی سکیمیں بدل لینی چاہئیں پہلی چیز تو یہ ہے۔ کہ ہمیں ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ ہمارا وقت ضائع نہ ہو۔ کل پرسوں سے میں نے سوچنا شروع کیا ہے۔ کہ جلسہ کے بعد اب دوسرا جمعہ آ گیا ہے۔ گویا اگلے پروگرام میں سے اب بارہ دن گذر گئے ہیں اگر ہم اب بھی نہیں سمجھے اور ایک اور بارہ دن گذر گئے تو ہم کو یہ چیز اپنے ارادہ سے اس قدر دور کر دے گی کہ ہمارا جوش پھیکا پڑ جائے گا پھر جوش ٹھنڈے ہو گئے۔ تو ہم کہیں گے چلو یہ سال تو گذر گیا ہم اب نئے سال سے کام کریں گے۔ اور ہماری ہر کوشش باطل اور بے کار جائے گی۔

میری آج مسجد میں جمعہ کے لئے آنے کی

بڑی وجہ یہی تھی

کہ میں جماعت کو اس طرف توجہ دلاؤں کہ نئے سال کے بارہ دن گذر گئے ہیں۔ اور ہمارا نیا پروگرام بارہ دن پیچھے جا پڑا ہے۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں آپ نے قربانیاں کیں۔ پہرے دیئے۔ محنت کی تکالیف اٹھائیں۔ کئی لوگوں نے لوٹ مار بھی کی۔ جیسا کہ میرے پاس رپورٹیں آئی ہیں۔ لیکن اکثر لوگوں نے قربانی کا اعلیٰ نمونہ دکھایا باہر سے آنے والوں نے تو اس حد تک

قربانی کا نمونہ

دکھایا کہ ان میں سے کئی ایسے آسودہ حال لوگ بھی تھے جو گھروں میں دریوں اور قالینوں پر سونا بھی ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن جلسہ سالانہ کے دنوں میں وہ زمینوں پر سوئے وہ ایسے مکانوں پر سوئے۔ جن کی چھتیں سروں سے لگتی تھیں۔ جن کی چھتیں گھاس پھوس کی تھیں۔ پھر اس دفعہ خصوصیت سے بعض بارکوں کو آگ لگ گئی اور مستورات کو ساری رات بارکوں سے باہر گذارنی پڑی۔ بعض عورتوں نے کہا۔ رات ہی گذارنی ہے۔ چلو باہر بیٹھ کر گذار لو چنانچہ انہوں نے بارکوں کے سامنے بیٹھ کر رات گذاری۔ ان ایام میں جو قربانی کے نمونے تم میں ایک جوش پیدا ہوا۔ اور تم نے ایک نیا عزم کر لیا۔ نیا ارادہ کر لیا۔

اب سوال یہ ہے

کہ وہ جوش تو لوگوں کی قربانیوں کو دیکھ کر پیدا ہوا تھا۔ ہمارا کام یہ تھا۔ کہ ہم اس جوش کو قائم رکھتے۔ لیکن ہم اس جوش کو اس وقت تک قائم نہیں رکھ سکتے۔ جب تک ہم ایک ایک دن گذارنے پر یہ محسوس نہ کریں۔ کہ ہمارا عزم اور ہمارا ارادہ ختم ہو رہا ہے۔ تم ان پروگراموں کے متعلق سوچو کسی پروگرام پر عمل کرنے سے پہلے یہ ہوتا ہے۔ کہ زور سوچا جائے میں نے بتایا تھا۔ کہ کوئی قوم اس وقت تک جیتتی نہیں۔ جب تک کہ اس کے افراد میں سوچنے کی عادت پیدا نہ ہو جائے۔ پس تم پہلے سوچنے کی عادت پیدا کرو۔ تم رات دن سوچو۔ کہ تم کس طرح ترقی کر سکتے ہو۔ تم

کس طرح خدمت اسلام کر سکتے ہو

تم کس طرح خدا تعالیٰ کے فضلوں۔ اس کی برکتوں اور اس کی محبت اور پیار کو حاصل کر سکتے ہو۔ پھر گروپس (Debating Clubs) ہوتے ہیں یعنی محلوں کی انجمنوں کو سوچنا چاہیئے۔ اگر وہ ہفتہ میں ایک دن اجلاس کرتے ہیں۔ تو ایک دفعہ اس امر کو سامنے رکھ کر غور کریں۔

اگر وہ دو دفعہ اجلاس کرتے ہیں۔ تو دو دفعہ اس امر پر غور کریں۔ اور جماعت کے سامنے یہ بات پیش کریں۔ کہ ہمارا یہ پروگرام تھا۔ اور ہم نے اس حد تک اس ہفتہ میں اس پر عمل کیا ہے۔ لیکن

ہوتا یہ ہے

کہ مہینہ دو مہینہ میں ایک دفعہ میٹنگ کی۔ چند باتیں کیں۔ اور میٹنگ برخواست کر دی۔ اب بعض محلوں کی طرف سے یہ اطلاع آئی ہے۔ کہ ہم نے سوچا ہے اور باہم مشورہ کر کے ایک پروگرام بنایا ہے۔ لیکن اس میٹنگ میں تو صرف ایک دفعہ غور کیا گیا تھا۔ لیکن کیا ایک دفعہ کھانا کھانا کافی ہو جاتا ہے۔ جس طرح صرف ایک دفعہ کھانا کھانا کافی نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک دفعہ سوچنا کافی نہیں۔ ہمیں جماعت کے افراد کے کانوں میں یہ باتیں بار بار ڈالنی چاہئیں ہمیں جماعت کے سامنے بار بار یہ بات رکھنی چاہئے کہ ہمارا کیا پروگرام تھا اور اس پر ہم نے کس قدر عمل کیا ہے۔ ہر محلہ کی انجمن کو ہفتہ میں ایک دفعہ اپنا پروگرام جماعت کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔ کہ ہم نے کیا کیا۔ اور کیا نہیں کیا۔ پھر دیکھیں لوگوں کے اندر ایک جنون پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ایک مہینہ میں ایک دفعہ میٹنگ کر لی۔ اور پھر بھول گئے۔ تو اگلے سال لوگوں کے دل سخت ہو جائیں گے۔

پس

ایک چیز تو یہ ہے

کہ ہر فرد پروگرام کو بار بار اپنے ذہن میں لائے۔ اور کوئی دن ایسا نہ جائے۔ جس دن اس نے اس بات پر غور نہ کیا ہو۔ کہ ہمارا کیا پروگرام تھا۔ اور اب تک ہم نے اس پر کس حد تک عمل کیا ہے۔ یہی محاسبہ ہے جسے صوفیاء نے روحانیت کے لئے بڑی ضروری چیز قرار دیا ہے۔ پس تم بار بار سوچو۔ کہ ہماری یہ ذمہ داری تھی۔ ہم نے اس سال اپنی پیدائش کی فلاں غرض کو اپنے سامنے رکھا تھا۔ اس کے مطابق ہم نے کس حد تک عمل کیا۔ ہم نے کس حد تک اپنی اپنی ذمہ واری کو پورا کیا۔ سال کے ۳۶۰ دن ہوتے ہیں۔ اگر ایک دن ضائع ہو گیا۔ تو آپ کے پروگرام کا ۳۶۰واں حصہ ضائع ہو گیا۔ اگر دو دن ضائع ہو گئے تو ۱۸۰واں حصہ پروگرام کا ضائع ہو گیا۔ اگر تین دن ضائع ہو گئے تو ۱۲۰واں حصہ پروگرام کا ضائع ہو گیا۔ اگر چار دن ضائع ہو گئے۔ تو ۹۰واں حصہ پروگرام کا ضائع ہو گیا۔ اگر سات دن گذر گئے۔ تو پچاسواں حصہ پروگرام کا ضائع ہو گیا۔ اب دیکھو کتنی جلدی وقت ضائع ہوتا ہے۔

سات دن کی غفلت

سے سال کا دو فی صدی پروگرام ضائع ہو جاتا ہے۔ اب اگر تمہاری دو فی صدی تنخواہ کم ہو جائے۔ تو تمہیں کتنی تکلیف ہوتی ہے دو فی صدی غلہ کم ہو۔ تو کتنی تکلیف ملک کو برداشت کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے سال حکومت کے خیال کے مطابق پانچ فی صدی غلہ کم پیدا ہوا۔ جس کی وجہ سے ملک میں قحط پڑا ہوا ہے میرے نزدیک اگرچہ یہ بات غلط ہے۔ لیکن چونکہ ہر قسم کا حساب گورنمنٹ کے پاس ہے۔ اس لئے اسے سرسری بھی نہیں کہا جا سکتا۔ غلہ کی قیمت ۶ روپے سے بعض جگہ ۳۲ روپیہ فی من تک پہنچ گئی ہے۔ گویا چھ گنا قیمت بڑھ گئی ہے۔ اسی طرح اگر تم

سال کا ایک ہفتہ

ضائع کرو گے۔ تو تم پر اس سے آدھی آفت آ جائے گی۔ جو پانچ فی صدی غلہ کم ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ پر آئی۔ اور اگر دو ہفتے ضائع ہو گئے۔ تو وہی پانچ فی صدی ہو گیا۔ اور آپ لوگوں کو وہی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ جو اس سال پانچ فی صدی غلہ کم ہونے کی وجہ سے تم اٹھا رہے ہو۔ گویا اگر تم نے دو ہفتے کام نہیں کیا۔ تو تمہارے کام کا اتنا حصہ ضائع ہو گیا۔ جتنا امسال ملک کا کم ہوا۔ اور اسے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور چھ روپے فی من کے بجائے تمہیں ۲۶ - ۲۶ روپے فی من یا اس سے بھی زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تم اپنے مقصد اور پروگرام کو جو تم نے اپنے اس سال کے لئے تجویز کیا ہے۔ پورا کرنے کے لئے چار گنا سے بھی زیادہ محنت کرو گے۔ چار گنا سے بھی زیادہ قربانی کرو گے۔ پس تم بار بار

محلہ کی انجمن کے سامنے

یہ بات لاؤ۔ کہ اس وقت گذر گیا ہے۔ اور اس عرصہ میں ہم نے اس قدر کام کیا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دفعہ انجمن کا اجلاس بلایا۔ ریزولیوشن پاس کیا اور پھر چپ ہو گئے۔ باہر کی انجمنوں کو بھی بار بار اجلاس کر کے جماعت کے سامنے یہ چیز پیش کرتے رہنا چاہئے کہ اس سال اُن کا یہ پروگرام تھا۔ اور اس عرصہ میں انہوں نے اس قدر کام کیا ہے۔ جماعت میں بار بار یہ بات پیش کی جائے۔ اور ان سے پوچھا جائے کہ اس وقت تک انہوں نے کیا کام کیا ہے۔ اگر تم اس طرح کرو گے۔ تو دیکھو گے۔ کہ جماعت میں آپ ہی آپ بیداری پیدا ہو جائے گی۔ جماعت کے سامنے بار بار کارگذاری لانے سے وہ اپنے مقصد کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔ جب کسی انسان کو صدمہ ہوتا ہے۔ تو تم نے دیکھا ہو گا۔ کہ اس صدمہ کی بات بار بار سننے سے اسے کتنا غم محسوس ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے بھئی تم بار بار اس صدمہ کو میرے سامنے نہ لاؤ۔ اس سے ہمیں

یہ سبق ملتا ہے

کہ ایک بات جو گذر چکی ہو۔ اسے بار بار کہنے سے اگر وہ غم کی ہے۔ تو زخم اور گہرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ خوشی کی ہے۔ تو وہ خوشی کو دوبالا کر دیتی ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم اپنے کاموں میں اس بات کو بھول جاتے ہیں۔ ایک دفعہ مجلس کر لیتے ہیں۔ اور پھر بھول جاتے ہیں۔ پس محلوں کی مجلس میں اگر وہ ہفتہ میں ایک دفعہ بیٹھتی ہے۔ تو ایک دفعہ اور اگر زیادہ دفعہ بیٹھتی ہے۔ تو زیادہ دفعہ اس سوال کو پیش کریں۔ کہ ہم نے کیا کام کرنا تھا۔ سال میں اتنا وقت گذر گیا ہے اور ہم نے اس قدر کام کیا ہے۔ اسی طرح میں باہر کی جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ تم یہ نہ سوچو۔ کہ ابھی ہم جلسہ سے واپس آئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ ابھی جلسہ ہی ختم نہیں ہوا۔ بلکہ سال میں سے ۱۲ دن گزر چکے ہیں۔ دراصل ہمارا سال ۲۹ر دسمبر سے شروع ہوتا ہے۔ ۲۸ر دسمبر کو جلسہ ختم ہوتا ہے۔ اور

۲۹ر دسمبر سے نیا سال

شروع ہو جاتا ہے۔ اور ہم کو اسی وقت سے ان تجاویز پر عمل کرنا شروع کر دینا چاہئیے۔ جو ہم جلسہ سالانہ پر تیار کرتے ہیں۔ اس طرح ہمارے اس سال کے پروگرام میں سے دو فی صدی ضائع ہو گیا ہے۔ اب دیکھو کہ اس دو فی صدی نقصان کو تم کتنی مشکل سے پورا کرتے ہو۔ میں نے بتایا ہے۔ کہ ملک میں پانچ فیصدی کم غلہ پیدا ہونے کی وجہ سے گندم کی قیمت چھ روپے سے بڑھ کر ۲۶ روپے فی من تک پہنچ گئی۔ اسی طرح تمہیں بھی اس سال دُگنی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ یعنی پہلے جو کام ایک روپیہ میں ہو جاتا تھا۔ وہ اب دو روپیہ میں ہو گا۔ اور اگر اتنے دن اور گذر گئے۔ تو جو کام ایک روپیہ میں ہوتا تھا۔ وہ چار روپے میں ہو گا۔ اور جو کام ایک سو روپیہ میں ہوتا تھا وہ چار سو روپیہ میں ہو گا پہلے ایک رکعت تمہیں خدا تعالےٰ کے قریب لا سکتی تھی۔ تو اب تمہیں

خدا تعالےٰ کے قریب آنے کے لئے

چار رکعتیں پڑھنی پڑیں گی اور اگر جنوری کا سارا مہینہ گذر گیا۔ اور ہم اپنے مقصد اور پروگرام پر عمل کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔ تو ہمارا ساڑھے بارہ فی صدی نقصان ہو چکا ہو گا۔ یعنی جو کام ایک روپیہ میں ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے ہمیں ساڑھے بارہ روپے خرچ کرنے پڑیں گے۔ اور جو قرب ہمیں ایک رکعت پڑھ کر حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے ساڑھے بارہ رکعت نماز پڑھنی ہو گی ایک دفعہ استغفار کرنے کی بجائے ہمیں بارہ دفعہ استغفار کرنا پڑے گا۔ اور ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی بجائے ہمیں بارہ دفعہ سبحان اللہ کہنا پڑے گا۔ تب جا کر ہمارا گزارہ ہو گا۔ اگر اس چیز کو حسابی طور پر دیکھا جائے۔ تو تمہیں اندازہ ہو کہ ہمارا اس قدر نقصان ہو گا۔

پس میں تمہیں وقت پر اس

خطرہ سے آگاہ کرتا ہوں

اگر یہ سال بغیر کچھ کئے گذر گیا۔ تو سال کے آخر میں تمہارا دل مردہ ہو جائے گا۔ اور تم کہو گے۔ کہ ہمیں تو کچھ بھی نقصان نہیں ہوا۔ لیکن تمہاری وہ رائے کچھ حقیقت نہیں رکھے گی۔ کیونکہ اس وقت تک تم مردہ ہو چکے ہو گے۔ اور مردہ دل کو اپنے نقصان کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ جس طرح جسم کا جو حصہ سُن ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اسے کاٹ دیتا ہے اور اس شخص کو ذرا بھر بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس دل کو کیا تکلیف ہو گی۔ جو مر چکا ہے۔ پس میں اُس وقت کے حالات پیش کر کے تمہیں آگاہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس وقت تو تمہارا دل مر چکا ہو گا۔ اور اسے اس بات کا احساس ہی نہیں ہو گا۔ کہ تمہارا کیا نقصان ہو چکا ہے۔ میں تمہیں موجودہ حالات کے لحاظ سے آگاہ کرتا ہوں۔ کہ تم اندازہ لگا لو۔ کہ سال کے گذر جانے کے بعد تم کتنا نقصان اٹھاؤ گے۔ پس تم وقت پر ضرورت کو پہچانو۔ اور پھر اس کے مطابق کام کرو۔ اللہ تعالےٰ ہماری جماعت کو توفیق عطا فرمائے تا اس میں

بیداری پیدا ہو جائے

اور ہم ان خطرات کو سمجھ سکیں۔ جو ہمیں پیش آنے والے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اتنا ہی قربانی کو بڑھاتے چلے جائیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھاتے جائیں۔ (الفضل مورخہ ۲۷/۲/۵۳)

ہفت روزہ بدر قادیان ~~~~ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۵۳ء

ضابطہ کا احترام

کوئی حکومت، قوم یا معاشرہ بغیر ضابط کے احترام اور ڈسپلن کے قیام کے ترقی نہیں کر سکتا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ کسی سوسائٹی کا بغیر اس کے قائم رہنا ہی ممکن نہیں۔ آزاد قومیں قانون اور ضابطہ کا احترام نہایت ضروری سمجھتی ہیں۔ اور ان میں سے خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا حاکم ہو یا محکوم پورے طور پر قانون کا پابند اور ضابطہ کا عادی ہوتا ہے۔

گذشتہ دنوں یہ اطلاع اخبارات میں شائع ہوئی ہے کہ انگلستان کی ملکہ الزبتھ اپنے خاوند ڈیوک آف ایڈنبرگ کے ساتھ نارفوک (انگلستان) کے ملحقہ میں سیلاب زدہ علاقہ میں متاثرہ لوگوں کی ہمدردی کے لئے تشریف لے گئیں۔ چونکہ ان کے وہاں پر جانے کی اطلاع نہ تھی۔ اور عام زائرین کے لئے وہاں پر بغیر اجازت کے جانا ممنوع تھا۔ اس لئے ڈیوٹی پر متعین ایک معمولی سپاہی نے اس شاہی جوڑے کو نہ پہچانتے ہوئے ان کی کار کو آگے جانے سے روک دیا۔ ملکہ نے بجائے اس کے کہ اس کی اس حرکت کو برا مناتی۔ ضابطہ کا احترام کرتے ہوئے بخوشی اس سپاہی کی بات کو قبول کیا۔ اور اپنے ڈرائیور کو کار واپس لے جانے کا حکم دیا۔

اس واقعہ میں ہمارے اہل وطن بھائیوں کے لئے جو "آزادی" "آزادی" کے نعرے لگانے میں پیش پیش ہیں۔ لیکن نظام کے احترام کی پرواہ نہیں کرتے بہت بڑا اسبق ہے۔

بے شک جائز حقوق کا مطالبہ کرنا اور ان کو حاصل کرنا رعایا کا حق ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان حقوق کے حصول کے لئے غیر قانونی کارروائیاں اور ایجی ٹیشنیں کی جائیں۔ اور اپنی حکومت کی توجہ اور وقت جو تعمیری کاموں میں خرچ ہونا چاہیئے فتنہ و فساد کے دبانے میں ضائع کیا جائے۔

اگر قانون اور ضابطہ کا ہم احترام نہیں کرتے تو اپنی حکومت کو کمزور کرنے اور اپنے مفاد و ترقی کو نقصان پہنچانے کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ صرف آزاد کہلانے سے کسی قوم کو آزاد قوموں کی نعمتیں حاصل نہیں ہو جاتیں۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ خواص اور اخلاق بھی اس کے ہر ایک فرد میں پیدا ہوں۔ جو آزاد قوموں کا طرۂ امتیاز ہیں۔

اُردو کی کس مپرسی

یہ بات بہت افسوسناک اور دکھ دہ ہے کہ اردو زبان کے متعلق ایک طرف تو ہندوستان میں بالخصوص یو۔پی کے صوبہ میں اس وجہ سے مخالفانہ سلوک کیا جاتا ہے کہ اس کو پاکستان نے اپنا لیا ہے۔ اور دوسری طرف جیسا کہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے تازہ بیان سے ظاہر ہے پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے بھی اس کی ترقی و ترویج کے لئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا جا رہا جہاں تک ہندوستان کے دستور کا سوال ہے "اردو" ان چودہ زبانوں میں سے ایک ہے۔ جن کو ہندوستان کی زبانیں تسلیم کیا گیا ہے۔ بے شک بعض مصالح کی وجہ سے "ہندی" کو بھارت کی سرکاری زبان مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علاقائی اور صوبائی زبانوں کی ترقی میں خواہ مخواہ رکاوٹ ڈالی جائے۔ سرکاری زبان اپنی جگہ پر ہے۔ اور علاقائی زبانیں اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔

یہ عجیب قصہ ہے کہ باوجود دستور ہند میں اردو زبان کو تسلیم کرنے کے اردو کے اصل وطن یعنی اتر پردیش (یو۔پی) میں بھی اُردو کو علاقائی زبان کی حیثیت دینے میں روکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں۔ اور یہ سمجھا جا رہا ہے۔ کہ اگر یو۔پی میں اردو علاقائی زبان مان لی گئی۔ تو ہندی زبان کو نقصان پہنچے گا۔ حالانکہ جب پیپسو میں ہندی کے ساتھ پنجابی کو جگہ دینے سے مدھیہ پردیش میں ہندی کے ساتھ مرہٹی کو جگہ دینے سے بنگال میں بنگالی کو ہندی کے شانہ بہ شانہ کھڑا کرنے سے اور جنوب میں تلنگی کو ہندی کے ساتھ علاقائی زبان ماننے سے ہندی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور یہ بات عین جائز اور مناسب ہے۔ تو یو۔پی میں اگر ہندی کے ساتھ اردو کو بھی علاقائی زبان تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس میں کونسی قباحت لازم آتی ہے۔ اور اس سے دستور ہند کی کونسی دفعہ ٹوٹتی ہے؟

دراصل "اردو" جیسی وسیع اور عمدہ زبان اور مختلف قوموں اور علاقوں کے اتحاد اور اتفاق کی نشانی کو ہندوستان میں بالخصوص یو۔پی میں برداشت نہ کرنا سوائے تنگ نظری کے اور کچھ نہیں۔

گذشتہ دنوں پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان نے گوالیار کی سائنس کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا کہ:-

"اُردو کی مخالفت میں جو آوازیں اُٹھتی ہیں۔ ان کو سُن کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔ اردو اب ہندی کا مقابلہ نہیں کرتی۔ وہ صرف ایک ایسی جگہ کا دعویٰ کرتی ہے۔ جو ہندوستان کے اس وسیع ملک میں بطور ورثہ اس کو ملی ہے۔ یہ ہماری زبان ہے۔ اور اس نے ہمارے ملک میں پرورش پائی ہے ہم کیوں اس کو مسترد کریں۔ غیر ملکی سمجھیں یہی وہ تنگ نظری اور علیحدگی داری ہے۔ جو ہمارے کلچر کی نشوونما کے لئے سب باتوں سے زیادہ خطرناک ہے"۔

(بحوالہ ہماری زبان یکم فروری ۱۹۵۳ء)

خدا کرے وزیر اعظم صاحب کے مندرجہ بالا حقیقت افروز بیان کے پیش نظر اُردو کی دشمنی میں کمی آئے۔ اور اس زبان کو بھی جو نہ صرف ملک کے اندرونی اتحاد و اتفاق کی ایک مضبوط زنجیر ہے۔ بلکہ بیرونی ممالک کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات کو وسیع کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ملک میں اس کی شان کے شایاں مقام حاصل ہو۔

پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی آنکھ

یہ ایک حقیقت ہے کہ رضا اور پسندیدگی کی آنکھ کو ہر خار پھول اور ہر عیب خوبی بن کر نظر آتا ہے۔ لیکن دشمنی اور نارضامندی کی آنکھ کو ہر پھول خار بن کر کھٹکتا ہے۔ اور ہر خوبی عیب اور نقص بن کر اس کے سامنے آتی ہے۔

جن تلخ وجوہات اور اسباب کی بنا پر ہمارا ملک تقسیم ہوا۔ اور جو تباہی و بربادی اس کے بعد ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں آج دونوں ملکوں میں بسنے والے ایک دوسرے کے متعلق صدہا بدگمانیوں اور شبہات میں مبتلا ہیں۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف سے نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ بھی کوئی قدم اٹھایا جائے۔ تو دوسری طرف کے لوگوں کو اس اقدام میں بے شمار تلخیاں چھپی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے پر بے اعتمادی کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ اس صورت حال کے پیدا ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ تقسیم ملک کے بعد دونوں اطراف کے اکثر لوگوں نے مظالم، قتل و غارت و لوٹ کھسوٹ کے واقعات کو تو نمایاں طور پر بیان و شائع کیا۔ بلکہ بسا اوقات ان واقعات کے ذکر میں مبالغہ و رنگ آمیزی سے بھی کام لیا۔ لیکن دونوں طرف جو ہمدردی، انسانیت، رواداری اور خوش خلقی کے واقعات رونما ہوئے ان کا ذکر نہ کیا گیا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ملکوں میں رہنے والے لوگوں کے تعلقات دن بدن خراب ہوتے گئے اور درمیانی خلیج روز بروز وسیع ہوتی چلی گئی۔

ایک طرف کے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ دوسرے ملک میں بسنے والے خونخوار درندے ہیں۔ جو ہمیں دیکھتے ہی چیر پھاڑ کر رکھ دینگے۔ اور دوسری جانب میں رہنے والوں نے خیال کیا۔ کہ دوسرے ملک کے باشندے انتہائی طور پر ظالم، غیر روادار اور وحشی ہیں۔ ان سے کسی بھی خیر کی امید نہیں۔ حالانکہ چند سال پیشتر ہی یہ سب لوگ محبت و پیار سے اکٹھے رہتے تھے۔ شادی و غمی میں باوجود اختلاف مذاہب کے ایک دوسرے کے شریک تھے۔

اس تفریق بے اعتمادی اور بے اطمینانی کو پرمٹ اور پاسپورٹ سسٹم نے بھی ایک حد تک مضبوط کرنے میں مدد دی ہے۔ اگر دونوں ملکوں کے لوگوں کو ایک دوسرے سے ملنے، کاروبار کرنے اور آنے جانے کی سہولتیں دی جاتیں تو بہت جلد تقسیم ملک سے پہلے کی طرح باہمی محبت اور تعلق پیدا ہو سکتا تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں بہت سے سیاسی اور اقتصادی فوائد دونوں ملکوں کو حاصل ہو سکتے تھے۔

یہ خوشی کا مقام ہے کہ دونوں حکومتوں نے اب پاسپورٹ سسٹم میں مزید سہولتیں دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ امید ہے کہ اس سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو سکیں گی اور باہمی تعلقات خوشگوار ہو سکیں گے۔

عام طور پر مشرقی پنجاب کے بعض حلقوں میں یہ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ سکھوں کا مغربی پنجاب میں آزادانہ آنا جانا اور چلنا پھرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ مغربی پنجاب کے لوگ مسلمانوں کے لئے مشرقی پنجاب کے ہندوستانی علاقہ میں آزادانہ چلنے پھرنے کو مشکل خیال کرتے ہوں۔ لیکن اگر وہ اس سہولت و آرام اور خوش اخلاقی کے برتاؤ کو دیکھیں جو عام طور پر ہندو اور سکھ پبلک کی طرف سے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں سے روا رکھا جاتا ہے۔ تو ان کی یہ سب غلط فہمی دور ہو جائے۔ اسی طرح ہم سمجھتے ہیں کہ

(باقی صفحہ ۶ کالم نمبر ۱ ملاحظہ ہو)

افکار و آراء

اخبار "الجمعیۃ" دہلی مورخہ ۳ر فروری رقمطراز ہے کہ:-

گورنروں کی بے احتیاطی

یو۔پی کے گورنر مسٹر کے ایم، منشی نے کانپور کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا عام تہذیبی ورثہ اتحاد کی ایک زبردست طاقت ہے۔ اور ایک ایسا قیمتی خزانہ ہے جو اپنی مثل آپ ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے رامائن اور مہابھارت کا تذکرہ کیا۔ کہ وہی ہماری تہذیب کا سرچشمہ ہیں۔ پھر رام اور سیتا۔ کرشنا اور رادھا کی طرف لوٹے اور انہیں ہندوستان کی عظمت کا سرتاج بتایا! ہمیں نہ تو ان بزرگوں کی عظمت سے انکار ہے اور نہ مہابھارت سے دشمنی، البتہ ہمیں حیرت ہے کہ حکومت کے گورنر اور وزراء کیوں کر رامائن، مہابھارت اور گیتا کے مبلغ بن سکتے ہیں۔ اور انھیں ہندو دھرم کے لئے سرکاری عہدوں کے استعمال کا حق کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ یہ اچھا سیکولرازم ہے کہ دنیا کو اطمینان بھی دلا دیا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں اور کاروبار بھی وہی جاری رکھا جو عین مذہبی اور ہندو نقطۂ نگاہ کا ترجمان ہے!

کھلی جانبداری

ہم مسٹر منشی اور دوسرے سرکاری منصب داروں کو رامائن، گیتا اور مہابھارت کا پاٹھ کرنے اور ان پر عمل کرنے سے نہیں روکتے، کیونکہ سیکولرازم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہندو گیتا سے، مسلمان قرآن سے اور عیسائی انجیل سے دست بردار ہو جائیں۔ ہم تو صرف یہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنی سرکاری حیثیت میں ہندو دھرم کے مبلغ کیونکر بن سکتے ہیں۔ اور قدیم کلچر اور سنسکرت کے پردہ میں مذہبی ناطرفداری کے اصول کو کس طرح نظرانداز کر سکتے ہیں؟ ایک اور صوبہ کے گورنر صاحب نے حال ہی میں فرمایا تھا کہ تعلیم سے فارغ ہونے والے طلباء کو رامائن اور مہابھارت تحفہ میں دی جائیں اور انھیں گیتا کی عظمت سے روشناس کرایا جائے! اگر یہ لوگ حکومت کے نمائندے ہیں۔ تو وہ ایک خاص مذہب کی کتابوں کا نام کیوں لیتے ہیں؟ یا پھر وہ قرآن اور انجیل کا تذکرہ کیوں نہیں فرماتے اور یہ کیوں نہیں کہتے کہ طلباء کو بائبل اور قرآن بھی ہدیۃً دئے جائیں؟ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنے بچوں کی اسلامیت کو باقی رکھنے کے لئے کوئی ٹھوس پروگرام بنائیں

رواداری یا تلوار؟

پوپ صاحب کے دارالسلطنت ویٹی کن کے سرکاری مسیحی اخبار میں مشرقی اور مغربی افریقہ کے جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں۔ ان سے حیرت انگیز بات معلوم ہوئی کہ وہاں کیتھولک عیسائیت کی جس قدر اشاعت ہوئی ہے اس سے دُگنے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ برطانوی مشرقی افریقہ کے بہت سے گاؤں مسلمان ہو چکے ہیں! پوپ صاحب کے سرکاری اخبار نے یہ بھی بتایا ہے۔ کہ اسلام کے پھیلنے کی وجہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کی وجہ ایک تو اسلامی فلسفہ کی سادگی ہے کہ وہ بہت جلد لوگوں کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ دوسرے اس کی رواداری ہے جس سے متاثر ہو کر لوگ اس کی طرف کھنچتے ہیں! حیرت ہے کہ اس اخبار نے یہ کیوں نہ کہا کہ مشرقی افریقہ میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا جا رہا ہے؟ جو مذہب ہر جگہ تلوار ہی سے پھیلا ہو وہ جب چین انڈونیشیا اور افریقہ میں نظر آتا ہے تو مخالف چکر میں آجاتے ہیں۔ اور یہ تو ویٹی کن کے اخبار کی بڑی جرأت مندی ہے کہ اس نے اشاعت اسلام کا سبب اسلامی فلسفہ کی سادگی اور اس کی رواداری کو قرار دیا ورنہ اگر وہ بھی تلوار ہی پکڑا دیتا تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیتے۔

(اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۷ر فروری ۱۹۵۳ء)

(بدر:- قارئین کرام کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ مشرقی اور مغربی افریقہ میں آج اسلام کی تبلیغ کا کام سوائے احمدیہ جماعت کے اور کون کر رہا ہے۔ اور عیسائیت کے مشنریوں کو کون متواتر شکست پر شکست دیکر میدان سے ہٹا رہا ہے۔ یقیناً کسر صلیب کا یہ کام بفضلہ تعالےٰ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ دلائل اور براہین سے ہو رہا ہے۔ اور آپ کے خادموں کی مجاہدانہ کوششوں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ ورنہ وہ مسلمان جو حضرت مسیح علیہ السلام کو انیس سو سال سے زندہ آسمان پر مانتے اور امت محمدیہ کے بگاڑ اور فساد کی اصلاح کے لئے ان کا آسمان سے نازل ہونا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اور اس عیسائیت نوازی کے ساتھ سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں فوت شدہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور آخری زمانہ میں عیسائیت اور دجالیت کے فتنہ کے قلع قمع کے لئے آپ کی قوت قدسیہ کو نعوذ باللہ کافی نہیں سمجھتے نیز اکثر خوارق اور معجزات بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف ہی منسوب کرتے رہتے ہیں۔ کس طرح یہ اسلام کی اشاعت کا باعث بن سکتے ہیں۔ آج عام مسلمانوں کی عملی حالت بھی غیروں کے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتی۔ ہاں صرف اور صرف احمدیہ جماعت ہی ہے۔ جو اپنے اعتقادی مضبوطی اور عمل کی درستی کے لئے نمایاں ہے۔ اور جذبہ جہاد سے سرشار ہے اور اسی کے ذریعہ سے انشاء اللہ اسلام سب ادیان پر غالب آئے گا۔ (ایڈیٹر)

(بقیہ صفحہ ۵) مغربی پنجاب کی مسلمان پبلک کے متعلق جو شبہات ہیں۔ وہ بھی محض میل جول کی کمی کی وجہ سے اور حالات سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔ ورنہ دیوانگی اور جنون کی وہ گرد جو ۱۹۴۷ء میں چلی تھی۔ اب مدت سے صرو چکی ہے۔

ہمارے اس خیال کی تائید اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔ جو ہندوستانی ہاکی ٹیم کے ایک سکھ ممبر نے جو گذشتہ دنوں لاہور گئے تھے۔ واپس پہنچ کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:-

"ہم نے وہاں سے روانہ ہونے سے قبل یہی سوچا تھا کہ سرکاری طور پر پاکستانی حکومت استقبال کرے گی۔ اور عوام ہمارے خلاف مظاہرے کریں گے اور کھیل کے میدان میں تماشائی ہمیں بُری طرح ہوٹ کریں گے لیکن یہ دیکھ کر مسرت و انبساط سے ہمارا سینہ تن گیا کہ ہم جس نگر بھی گئے۔ ہماری راہ میں آنکھیں بچھائی گئیں۔ شاہ عالمی دروازہ کے قریب ایک پہلوان نے جب ہاتھ جوڑ کر ہم سے التجا کی۔ کہ سردار جی خدا کیلئے آپ یہاں رہیئے تو میری آنکھیں مسلمانوں کی رواداری دیکھ کر پُرنم ہو گئیں۔ تانگہ چلانے والے کوچوانوں نے ہم سے کرایہ وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہمیں زبردستی پکڑ پکڑ کر تحائف دیئے گئے۔ اور خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا"

(اخبار ریاست دہلی مورخہ ۲ر فروری ۱۹۵۳ء)

مندرجہ بالا واقعہ صرف ایک ہی نہیں۔ بلکہ جو مسلم زائرین پاکستان سے مشرقی پنجاب آتے رہتے ہیں۔ یا غیر مسلم زائرین ہندوستان سے مغربی پنجاب جاتے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو عمدہ سلوک دونوں طرف روا رکھا جاتا ہے۔ وہ اس خوشگوار تبدیلی کا آئینہ دار ہے جو اب دونوں طرف کے عوام میں پیدا ہو چکی ہے۔

اگر دونوں طرف کے لوگ تعلقات محبت کو استوار کرنے کیلئے اچھے اور رواداری کے واقعات کو اکٹھا کریں تو سینکڑوں ہزاروں مثالیں ایسی مل سکتی ہیں۔ باہمی تعلقات کے خوشگوار بنانے میں مدد دے سکتی ہیں۔

مسلمانان کانپور کی توجہ کیلئے چند معروضات اور اظہارِ حقیقت

خدا کیلئے اس مضمون کو ضرور پڑھیئے!

کانپور کے تین نوجوان جو پنجابی سوداگران کی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک عرصہ سے نجی طور پر جماعت احمدیہ کے لٹریچر کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان میں سے دو نوجوان جلسہ سالانہ ۱۹۵۲ء کے موقعہ پر جو ہر سال ماہ دسمبر کے آخری ہفتہ میں ارضِ مقدسہ قادیان میں منعقد ہوتا ہے قادیان تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے جلسہ کی تقاریر سُنیں۔ وہاں کا ماحول دیکھا۔ جماعت احمدیہ کے ان درویشوں کو دیکھا جو کہ اسلام کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے اب بھی وہاں پر مقیم ہیں۔ جماعت کے اکابرین۔ مبلغین و علماء سے ملاقاتیں کیں۔ اور جو کچھ بھی نظریہ وہ اپنے دل میں لے کر گئے تھے۔ اس کے مطابق جملہ معاملات کو بنظرِ غائر دیکھا۔ اور قریباً چار دن وہاں قیام کرنے کے بعد واپس آ گئے۔ اس موقعہ پر انہوں نے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ اور نہ ہی قادیان کے کسی فرد نے انہیں مجبور کیا کہ وہ بلا مکمل تحقیق کے سلسلہ میں شامل ہوں۔ ان کی قادیان سے واپسی پر مچھلی بازار کانپور کی مسجد میں پنجابی سوداگران کی برادری سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ نے یہ اعلان کیا کہ ہماری برادری کے تین نوجوان گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ان کے متعلق کیا کیا جاوے۔ اور جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا۔ یہ اعلان دو مرتبہ مسجد مچھلی بازار میں کیا گیا۔

اس اعلان کی اطلاع ان نوجوانوں کو دو تین روز بعد ملی۔ اور انہیں اس امر کا سخت افسوس اور قلق ہوا کہ بلا کسی استفسار اور تحقیق کے گروہ صاحب نے ان کے متعلق بالکل غلط اعلان کر دیا ہے۔ اس اعلان کے بعد مختلف جگہوں پر ان کے متعلق پرچے ہونے لگے۔ اور ان کے بعض اعزہ نے ان کو سمجھانے کے لئے لکھنؤ سے مولوی منظور احمد صاحب نعمانی ایڈیٹر رسالہ الفرقان کو بھی بلانے کا انتظام کیا۔ ان اعزہ نے ان نوجوانوں سے بھی کہا۔ کہ ہم مولوی منظور احمد صاحب کو بُلا رہے ہیں۔ آپ ان سے مل کر اپنے شبہات کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ نیز جماعت احمدیہ کے عقائد کے متعلق بات چیت کر سکتے ہیں۔ ان نوجوانوں نے اپنے ان اعزہ سے کہا کہ ہم نے جو کچھ جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں دیکھا ہے۔ اس کی روشنی میں ہم نعمانی صاحب سے بات چیت کریں گے۔ اور یہ بات صرف قرآن مجید اور حدیث کی روشنی میں ہو گی۔ چنانچہ نعمانی صاحب اغلباً ۱۶ رجنوری کو کانپور پہنچے۔ اور ان سے بات چیت کا انتظام اُنہی نوجوانوں کے مکان پر کیا گیا۔ جیسا کہ اوپر کے بیان سے قارئین سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ یہ معاملہ طے تھا کہ نعمانی صاحب سے جماعت احمدیہ کے عقائد کے متعلق قرآن مجید اور حدیث کے ذریعہ بات چیت ہو گی۔ لیکن ہوا یہ کہ نعمانی صاحب مقام مقررہ پر آئے اور بغیر اس امر کے دریافت کئے کہ وہ کون لوگ ہیں جو گمراہ ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی بات کرتے اپنی تقریر شروع کر دی۔ میں خود اس موقع پر موجود تھا۔ تقریر کے ابتداء میں نعمانی صاحب نے اس امر پر روشنی ڈالی کہ پہلے کیوں نبوت کی ضرورت تھی اور اب کیوں ختم کر دی گئی۔ اور جو وجہ انہوں نے بیان کی۔ وہ اتنی بودی اور ناقص تھی کہ ہر سننے والے پر اس کا نقص ظاہر تھا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت مرزا صاحب کی طرف موضوع کو پلٹا۔ اور کہا کہ مجھے اس امر سے بحث نہیں کہ عیسیٰؑ فوت ہو گئے یا نہیں۔ میں تو مرزا صاحب کی کتابوں سے بعض حوالے آپ کے سامنے رکھتا ہوں جن سے آپ پر یہ ثابت ہو جائے گا۔ کہ مرزا صاحب نعوذ باللہ نعوذ باللہ نقلِ کفر کفر نہ باشد ایک شریف انسان بھی نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے انجام آتھم اور اربعین وغیرہ سے بعض حوالے پڑھ کر سُنائے جو حضور نے عیسائیوں کو ملزم کرتے ہوئے اس یسوع مسیح کے متعلق تحریر کئے ہیں۔ جس کا اناجیل میں تذکرہ ہے اور یہ چند حوالہ جات پیش کرنے کے بعد پھر حضرت مرزا صاحب کی ذات والاصفات کے متعلق وہی الفاظ دُہرا کے جو پہلے کہے تھے اور اپنی تقریر کو ختم کر دیا۔ ان کی تقریر کے خاتمہ پر ان نوجوانوں میں سے ایک نے نعمانی صاحب سے یہ کہا کہ میں قرآن مجید میں سے چند آیات وفات مسیح اور اجرائے نبوت کے متعلق لکھتا ہوں آپ ان کے متعلق میری تسلی کر دیں۔ اور یہ بھی کہا کہ آپ کے آنے سے قبل میرے ان اعزہ نے جو آپ کو لانے کا موجب ہوئے مجھ سے آپ کے آنے کا یہی مقصد بیان کیا تھا کہ میں اپنے شبہات کا ازالہ آپ سے کروں۔ نعمانی صاحب نے اس کے جواب میں کہا کہ میں آپ سے اس وقت تک کوئی بات چیت کرنے کو تیار نہیں جب تک آپ اپنے دل کو مرزا صاحب کے خیالات سے صاف نہ کریں۔ جب آپ صاف کر لیں گے تب میں آپ سے بات کروں گا۔

اس پر اس نوجوان کے ایک عزیز نے نعمانی صاحب سے کہا کہ میں احمدی نہیں ہوں میرے دل میں مرزا صاحب کے متعلق کوئی عقیدت نہیں۔ میں صرف ایک سوال آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں یا فوت ہو گئے ہیں؟ اس سوال پر نعمانی صاحب نے اپنا پیچھا یہ کہہ کر چھوڑایا کہ آپ سات دن تک میرے ساتھ رہیں آپ پر سب حقیقت واضح ہو جائے گی۔ گویا نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا نا چے گی۔ نہ وہ سات دن نکال کر نعمانی صاحب کے ساتھ رہ سکیں گے نہ ان پر حقیقت واضح ہو گی۔ اسی مجلس میں مدراس سے آئے ہوئے ایک غیر احمدی سیٹھ صاحب بھی موجود تھے۔ جب نعمانی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی ذات والاصفات کے متعلق غیر شریفانہ الفاظ استعمال کئے۔ تو انہوں نے نعمانی صاحب سے کہا کہ آپ نے مرزا صاحب کے متعلق جو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ میں ان سے متفق نہیں ہوں۔ کیونکہ مولانا عبدالماجد صاحب مراد آبادی کے حالیہ بیانات میں تو مرزا صاحب کو مجدد تک مان لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا۔ تو اس کے جواب میں نعمانی صاحب نے کہا کہ مولانا عبدالماجد صاحب مراد آبادی کے مضامین کا جواب میں اپنے رسالہ الفرقان میں لکھ رہا ہوں۔ آپ رسالہ الفرقان کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ سیٹھ صاحب نے کہا کہ آپ کا رسالہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن میں اس سلسلہ میں آپ سے زبانی بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ تو نعمانی صاحب نے جواب دیا کہ آپ لکھنؤ تشریف لے آیئے وہاں اس کے متعلق بات چیت ہو جائے گی۔ اس کے بعد یہ مجلس برخواست ہو گئی۔

نعمانی صاحب سے متعلق باقیماندہ واقعے کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے میں دیگر واقعات کو چھوڑ کر لکھنؤ میں نعمانی صاحب سے انہی مدراسی غیر احمدی سیٹھ صاحب کی ملاقات کا حال بھی کچھ ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

مورخہ ۲۸ رجنوری بروز بدھ سیٹھ صاحب موصوف مع تین اور دوستوں کے جن میں ہماری جماعت کے مبلغ مولانا بشیر احمد صاحب ناقل بھی تھے کانپور سے بارادہ ملاقات نعمانی صاحب لکھنؤ روانہ ہوئے۔ لکھنؤ پہنچ کر بعد مشکل نعمانی صاحب کی جائے قیام کا پتہ چلا اور یہ معلوم ہوا کہ وہ محلہ بلوچ پورہ مسجد صدیقی میں امام ہیں اور مسجد کے پاس ہی کے ایک مکان میں ان کا قیام ہے۔ چنانچہ قریباً ڈیڑھ بجے بعد دوپہر ہم چاروں نعمانی صاحب کی جائے قیام پر پہنچے۔ نعمانی صاحب اس وقت مسجد میں نماز ظہر ادا کر رہے تھے۔ ہم لوگوں نے بھی مناسب سمجھا کہ نماز وہاں ادا کر لی جائے۔ چنانچہ وضو وغیرہ کی تیاری میں ہم لوگ لگ گئے۔ ہم لوگ وضو کر ہی رہے تھے۔ کہ نعمانی صاحب نماز ختم کر کے اپنی جائے قیام پر تشریف لے جانے لگے۔ تو مسجد کے دروازہ کے پاس سیٹھ صاحب نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ اور بتایا کہ میں حسب وعدہ آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ نعمانی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ لوگ نماز پڑھ لیں میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ ہم نے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد نعمانی صاحب کا انتظار کیا۔ قریباً بیس منٹ کے بعد نعمانی صاحب مسجد میں واپس آئے۔ اور سیدھے مسجد کے حجرہ کی طرف چلے گئے۔ اور سیٹھ صاحب کو کہا کہ آیئے۔ سیٹھ صاحب ان سے ملنے کے لئے چلے گئے۔ اور چند ہی منٹ کے بعد واپس آ گئے۔ اور واپس آ کر ہم سے سیٹھ صاحب نے فرمایا کہ چلتے ہیں۔ ہم لوگ منتظر تھے کہ نعمانی صاحب ابھی باہر آئیں گے۔ اور ان کا نیاز حاصل ہو گا۔ سیٹھ صاحب نے جب چلنے کے لئے فرمایا۔ تو میں نے کہا کیا نعمانی صاحب سے ہماری ملاقات نہ ہو گی۔ سیٹھ صاحب نے جواب دیا نہیں۔ مزید دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نعمانی صاحب ملنا نہیں چاہتے۔ اور نہ ہی کوئی بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں کام زیادہ ہے۔ اس لئے انہوں نے کہہ دیا ہے کہ جو کچھ ہم نے کہنا تھا رسالہ الفرقان میں لکھ دیا ہے۔ اس کو دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ ہم لوگ مولوی نعمانی صاحب سے ملاقات کئے بغیر واپس آ گئے۔ اور ہمیں اس امر کا بے حد افسوس ہوا کہ نعمانی صاحب نے اخلاقِ محمدی پر عمل کرتے ہوئے اتنی بھی تکلیف گوارا نہ فرمائی کہ ان لوگوں سے جو صرف ان کی ملاقات کے لئے دور سے چل کر آئے تھے مل لیتے۔ ہمیں کوئی گلہ نہ ہوتا اگر وہ ہم سے ملاقات کر لیتے خواہ وہ کسی مسئلہ کے متعلق بات چیت کرتے یا نہ کرتے۔ ہم تو اس ارادہ سے گئے بھی نہ تھے کہ ان سے کوئی بحث کریں۔ بہر صورت ہم کو ملاقات کا موقع دینا ان کے لئے اخلاقاً ضروری تھا۔ مگر افسوس کہ اس کو بھی انہوں نے گوارا نہ کیا۔ یہ حالت ہے ان عالموں کی جو اصلاحِ قوم کا بیڑہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور اخلاقِ محمدی پر چلنے کے دعویدار ہیں۔

کسی نے سچ کہا ہے ؎

رہِ حق پر چلانے والے ہم کو
رہِ حق سے گذرتے جا رہے ہیں
رسول اللہ کی اُلفت کا دعوےٰ
بغاوت اس سے کرتے جا رہے ہیں

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اب میں پھر وہاں پہنچتا ہوں۔ جہاں سے نعمانی صاحب کے کانپور آنے کا واقعہ شروع ہوا تھا۔ نعمانی صاحب کو بلایا تھا۔ وہ قطعاً پورا نہ ہوا۔ بلکہ ان کی آمد کا الٹا اثر یہ ہوا کہ

م ہم ان صاحب نے تقریر کر کے بغیر لکھنؤ واپس چلے گئے اور ہمیں ملنے کے مقصد سے بعض دوستوں سے

لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی۔ کہ نعمانی صاحب نے قرآن مجید سے احتراز کیا ہے۔ اور اپنی ساری تقریر میں قرآن مجید کی کے حوالہ سے کوئی بات نہیں کی۔ اس سے اُن نوجوانوں کی اصلاح کے جذبات پر لوگوں کے دلوں میں بڑھنے لگے۔ اور بعض لوگوں نے جماعت احمدیہ کے عقائد کے متعلق بھی وضاحت چاہی۔ اس پر ان نوجوانوں میں سے ایک صاحب نے پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کانپور کے پاس آکر سب حالات بیان کئے۔ اور مشورہ دیا کہ ان حالات میں مناسب ہوگا کہ جماعت احمدیہ کے کسی عالم کو یہاں بلوایا جاوے تا جو دوست مسائل احمدیت کے متعلق بات چیت کرنا چاہیں تو ان سے کریں۔ اسی طرح یہ بھی کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اب یہ معاملہ دیگر علماء اہل سنت والجماعت تک پہنچے اور وہ آمادہ بحث ہوں۔ اس لئے کسی احمدی عالم کا چند روز کے لئے یہاں آجانا ضروری ہے۔ چنانچہ ان کے اس مشورہ پر پریذیڈنٹ صاحب جماعت احمدیہ کانپور نے ایک خط ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ قادیان کو تحریر کیا۔ اور جملہ حالات سے اطلاع دیتے ہوئے درخواست کی۔ کہ کسی عالم کو کانپور چند یوم کے لئے بھیج دیا جاوے اس خط کو قادیان پہنچے چند ہی روز ہوئے تھے۔ اور ابھی قادیان سے کوئی جواب بھی نہیں آیا تھا۔ کہ مکرم مولوی بشیر احمد صاحب فاضل انچارج تبلیغ علاقہ یو۔ پی اپنے کسی پروگرام کے سلسلہ میں کانپور سے گذرے۔ انہیں کانپور سے ٹرین تبدیل کرکے کسی دوسری جگہ جانا تھا۔ اور دوسری ٹرین کے ملنے میں کچھ وقفہ تھا۔ اس وقفہ میں وہ پریذیڈنٹ صاحب کے پاس بغرض ملاقات تشریف لے آئے۔ جب مولانا کی ملاقات پریذیڈنٹ صاحب سے ہوئی تو انہوں نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ آپ بڑے اچھے وقت پر تشریف لے آئے۔ یہاں یہ حالات پیدا ہوئے ہوئے ہیں۔ اور ان حالات میں ایک عالم کی یہاں شدید ضرورت ہے۔ اور ہم نے مرکز کو بھی خط لکھا ہے۔ آپ چونکہ اس علاقہ کے انچارج ہیں۔ اسلئے آپ ہی چند دن کے لئے یہاں قیام کریں۔ مولانا موصوف نے بتایا کہ وہ ایک ضروری کام کی سرانجام دہی کے لئے آگے جا رہے ہیں۔ اس لئے فی الحال ان کا رکنا مشکل ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس کام کو سرانجام دینے کے بعد واپسی پر وہ چند دن کے لئے یہاں رُک جائیں۔ چنانچہ مولانا موصوف کے ساتھ یہ پروگرام طے ہو گیا۔ کہ وہ واپسی پر ضرور کانپور چند دن قیام فرماویں گے۔ چنانچہ مولانا صاحب اس طے شدہ پروگرام کے مطابق مورخہ ۲۳ رجنوری کو کانپور تشریف لے آئے۔ اور آپ کی آمد پر جماعت کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ آپ کی آمد کا اعلان کانپور کے روزنامہ سیاست جدید میں کر دیا جاوے تاکہ غیر احمدی احباب کو اطلاع ہو جائے اور جو لوگ آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہیں وہ دریافت کریں چنانچہ سیاست جدید کی دو اشاعتوں مورخہ ۲۵ رجنوری و ۲۶ رجنوری میں حسب ذیل اعلان سیکرٹری انجمن احمدیہ کانپور کی طرف سے بعنوان "تلاش حق" شائع ہوا۔ اعلان کی عبارت حسب ذیل تھی:-

"سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک عالم حضرت مولانا بشیر احمد صاحب مدظلہ ان دنوں کانپور تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ کا قیام کمھنیاں بازار نزدیک مدرسہ فیض عام مکرم محمد احمد سولیجہ کے مکان پر ہے۔ جو احباب سلسلہ عالیہ احمدیہ سے متعلق کچھ تحقیق کرنا چاہیں۔ وہ روزانہ ۸ بجے شب سے ۱۰ بجے شب تک آپ سے ملاقات کرکے تحقیق فرما سکتے ہیں۔"

آپ کی آمد سے مزید فائدہ اُٹھاتے ہوئے جماعت احمدیہ کے ممبران نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ مورخہ ۲۵ رجنوری بروز اتوار ایک اجلاس منعقد کیا جاوے۔ جس میں احمدی احباب شامل ہوں اور مولوی صاحب کی تقریر موجودہ حالات کی روشنی میں احمدیہ کے خصوصی مسائل پر ہو جائے۔ پنجابی سوداگران کی برادری سے تعلق رکھنے والے اس نوجوان نے جو قادیان جلسہ پر آئے تھے۔ چند غیر احمدی احباب کے نام بھی اس اجلاس میں شمولیت کے لئے بتلائے اور انہیں اجلاس میں شامل کرنے کی اجازت چاہی انہیں اس شرط کے ساتھ اجازت دی گئی۔ کہ ایسے دوستوں کو شمولیت کی اجازت ہوگی جو سنجیدہ طبع ہوں۔ تاکہ شرارت پسند طبقہ اجلاس کی کارروائی کو خراب کرنے کی کوشش نہ کرے۔ چنانچہ حسب پروگرام رات ساڑھے ۸ بجے یہ اجلاس زیر صدارت بزرگوارم حاجی محمد ابراہیم صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کانپور شروع ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد مولانا بشیر احمد صاحب نے تقریر شروع کی۔ آپ کی تقریر سے پہلے صدر صاحب نے یہ اعلان کر دیا۔ کہ دوران تقریر میں کسی دوست کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ جو دوست تقریر کے کسی حصہ کے متعلق دریافت کرنا چاہیں۔ وہ اپنے اعتراض کو نوٹ کریں۔ اور مولانا کی جائے قیام پر پہنچ کر اس کے متعلق دریافت کریں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے عقائد جماعت احمدیہ اور جماعت کے مسائل خصوصی پر ایک مدلل تقریر فرمائی آپ کی تقریر جاری تھی۔ کہ قریب پندرہ بیس غیر احمدی احباب جن کو ہماری طرف سے اس اجلاس میں آنے کی قطعی کوئی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ بلا اجازت مالک مکان اس جگہ آگئے۔ جہاں تقریر ہو رہی تھی۔ منتظم صاحب جلسہ نے اخلاقاً اس بناء پر کہ اب یہ لوگ مکان میں آگئے ہیں ان کو مجلس میں جگہ دی اور وہ لوگ آکر بیٹھ گئے۔ قریباً بیس منٹ تک انہوں نے مولانا کی تقریر کو سُنا۔ اس وقت تک مولانا مسئلہ وفات مسیح پر روشنی ڈال کر آیت خاتم النبیین کے شان نزول کو بیان فرما رہے تھے۔ اور تقریر میں حاضرین کو کوئی ایسا لفظ نہیں ملا کہ جس پر وہ اعتراض کرتے کہ اچانک مجلس میں سے ایک شخص نے باآواز بلند کہا کہ یہ تقریر کب تک جاری رہے گی۔ ہم کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر صدر صاحب نے وہی اعلان جو مولانا کی تقریر سے پہلے کیا تھا دہرایا اور احباب کو توجہ دلائی کہ وہ خاموشی سے تقریر کو سنیں اور جو اعتراضات انہیں تقریر میں بیان کردہ امور کے متعلق ہوں انہیں نوٹ کریں۔ اور مولانا ابھی یہاں قیام کریں گے۔ ان سے مل کر اپنی تسلی کر لیں۔ مگر یہ گروہ نیک نیتی سے نہیں آیا تھا اس لئے انہوں نے اس اعلان کے بعد بھی خاموشی اختیار نہیں کی۔ اور کئی طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ اور بعض لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم ابھی سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ ہمیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے حالانکہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ لوگ بن بلائے مہمان تھے۔ اور کسی نے بھی ان کو جلسہ میں شرکت کی دعوت نہیں دی تھی۔ کیونکہ اجلاس محدود تھا اور غیر احمدیوں میں سے صرف انہیں احباب کو بلایا گیا تھا جن کو اس نوجوان نے تجویز کیا تھا۔

بالآخر یہ سن کر کہ ہمیں اس اجلاس میں بُلایا نہیں گیا کچھ ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اور ساتھ ہی ساتھ بعض غلط اور مفسدانہ باتیں کہتے ہوئے یہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ مولانا صاحب کی تقریر اس اجلاس میں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی اور آپ نے اس تقریر میں علاوہ اختلافی مسائل پر روشنی ڈالنے کے ان الزامات کی بھی تردید کی۔ جو بالکل غلط طور پر جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ احمدیہ جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتی ہے۔ اور آپ کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتی۔ اور نعوذ باللہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قائل نہیں۔ اسی طرح یہ کہ احمدی لوگ بیت اللہ شریف کو اپنا قبلہ نہیں مانتے۔ ان کی نماز علیحدہ ہے۔ یہ لوگ بیت اللہ شریف کا حج نہیں کرتے۔ اور انبیاء کرام کی توہین کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ان تمام امور کی تردید میں آپ نے بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے حوالہ جات پڑھ کر سنائے۔ اے کاش کہ آنے والے غیر احمدی احباب جو محض ایک خاص نیت کے ماتحت اجلاس میں آئے تھے۔ وہ آپ کی مکمل تقریر کو سنتے اور اس کے بعد اس تقریر پر جو اعتراضات انہیں ہوتے وہ کرتے۔

بہرصورت ہمارا اجلاس ختم ہو گیا اور اس کے بعد غیر احمدی احباب میں سلسلہ کے متعلق پہلے سے بھی زیادہ چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس اجلاس کے بعد غیر احمدی احباب کی طرف سے جو کچھ ہوا اب اس کا کچھ تذکرہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

مولانا کی تقریر کے بعد اگلے ہی روز یعنی مورخہ ۲۶ رجنوری کو پنجابی برادری سے تعلق رکھنے والے ایک دوست اشتیاق حسین صاحب۔ اس نوجوان دوست کے پاس آئے۔ جو قادیان گئے تھے۔ اور ان سے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ۵۰ ـــ ۶۰ آدمی جمع ہوں گا اور ان میں سے چار پانچ آدمی مولانا پر مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق اعتراض کریں گے۔ وہ ان کے اعتراضات کا جواب اسی مجلس میں دیں۔ اس نوجوان نے کہا کہ یہ فرقہ داری کا معاملہ ہے آپ ظفر احمد صاحب شمسی کے پاس چلیں اور ان کے سامنے بات چیت کی جائے۔ ظفر احمد صاحب شمسی پنجابی سوداگران کی برادری سے تعلق رکھنے والے ایک سنجیدہ مزاج دوست ہیں۔ چنانچہ شمسی صاحب کے ہاں گئے۔ میں بھی اس وقت ہمراہ تھا۔ اور وہاں بات چیت ہوئی۔ ہم نے زور دیا کہ اس طریقہ سے بات چیت نہیں ہو سکتی۔ کوئی اصول طے ہونا چاہیئے۔ اگر پانچ چھ آدمیوں کو بولنے کی اجازت دی گئی۔ تو سوائے اس کے کہ ہڑبونگ ہو جائے اور کوئی معاملہ طے نہ ہوگا۔ لیکن اشتیاق حسین صاحب کی طرف سے اسی امر پر زور دیا جاتا رہا۔ اور بالآخر یہ قرار پایا کہ مولانا بشیر احمد صاحب سے اس معاملہ کے متعلق بات چیت کرنے کے بعد ہم جواب دیں گے۔ چنانچہ ہم لوگ مولانا کے پاس آئے۔ اور ساری کیفیت ان کے سامنے رکھی۔ مولانا نے فرمایا کہ اس رنگ میں کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا کیونکہ کوئی اصول طے نہیں۔ کہ کس امر پر بات چیت ہو اور کب تک ہو۔ اس لئے بہتر طریق یہ ہے کہ کسی اصول کے مطابق بات چیت ہو اور بات چیت کے لئے بعض شرائط طے کرلی جائیں بعد بات کر لی جائے۔ چنانچہ آپ نے چند اصولی باتیں اور شرائط ہم کو بتائیں کہ ان کے مطابق جب بھی وہ چاہیں بات کریں۔ چنانچہ یہ شرائط لکھ کر شمسی صاحب کے سپرد کر دی گئیں۔ کہ وہ اشتیاق حسین صاحب تک پہنچا دیں۔ ان شرائط کے پہنچنے کے بعد ان کا جواب ملا۔ جس کا جواب الجواب ہماری طرف سے دیا گیا۔ اور کافی لمبی خط و کتابت اس سلسلہ میں ہوتی رہی۔

ہمارا یہ خیال تھا کہ اس خط و کتابت کی روشنی میں کوئی بہترین فضا پیدا ہو جائے گی۔ جس کے اندر نہایت سنجیدگی کے ساتھ بات چیت ہوگی۔ مگر افسوس کہ آخری رقعہ جو اشتیاق حسین کی طرف سے شمسی صاحب کی معرفت ملا وہ بہت مایوس کن

اور ہماری پیش کردہ شرائط کو ماننے سے انکار ہی کیا گیا تھا۔ (یہ جملہ خط و کتابت ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جو ملاحظہ فرمانا چاہیں وہ ہمارے پاس آ کر دیکھ سکتے ہیں)

اخبار سیاست میں جماعت احمدیہ کے عالم کے آنے کی اطلاع اور ۲۶ / جنوری کے اجلاس کے بعد اخبارات میں بھی ہمارے خلاف بعض اطلاعات شائع ہونی شروع ہو گئیں۔ چنانچہ مورخہ ۲۸ / جنوری کی اشاعت میں کانپور کے ایک ہفتہ وار اخبار رہبر نامی میں ایڈیٹر صاحب کی طرف سے حسب ذیل مضمون شائع ہوا۔

"جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے کہ بساطی بازار کے دو نوجوان اپنی کسی مصلحت سے جماعت احمدیہ کے رکن بن گئے (ہم شروع مضمون میں ان نوجوانوں کے صحیح حالات درج کر چکا ہوں۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایڈیٹر صاحب اخبار رہبر کا یہ بیان کہاں تک درست ہے۔ ناقل)

انسان کا کوئی خاص طریق عمل و عقائد کا پابند ہو جانا اس کا ذاتی فعل ہے جس پر کسی کو کوئی اعتبار نہیں . . . . . .

. . . . . . بساطی بازار کے نوجوانوں نے ارتداد قبول کیا یا احمدی کیوں ہوئے۔ اس پر یہاں بحث مقصود نہیں۔ یہاں تو صرف یہ کہنا ہے۔ کہ یہ نوجوان چند دن ہوئے کہ روشنی سے تاریکی اختیار کر لی ہے۔ لیکن گروہ نے ان کے قریب تبلیغی دفتر کھول دیا ہے۔ یہ دفتر نہیں کھنیاں بازار میں یہ ایک خطرناک فتنہ کھڑا ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کے مشہور کاروباری حلقے و برادری میں تلاش حق کا زہریلا دور نہ معلوم کتنے آباد گھروں و منور سینوں کو بربادی و گمراہی میں دھکیل دے گا۔ حیرت ہے۔ اس جرأت پر ماتم ہے اس ذہنی انقلاب پر۔ عقائد کی تبدیلی کا جو زخم برادری کے قلب پر لگایا گیا وہ ابھی ہرا ہے۔ فتنہ قادیانیت کی تبلیغ و اشاعت میں کھنیا بازار کے مقام اور بساطی نوجوانوں کا مکان و اثاثہ استعمال کرنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ چند دن قبل میں بساط خانہ کے نوجوان ان کے استاد . . . . . کی خدمت میں بحث کے لئے حاضر ہوں گے۔ اور شکست کھا کر شکار بننے جائیں گے۔ آج ہمارے بزرگ دو بچوں کے ارتداد پر ماتم کر رہے ہیں تو تھوڑے دنوں کے بعد بہت سے نوجوان اس دام میں پھنس کر اعزا، و عام مسلمانوں کے لئے باعث اندوہ بنیں گے۔"

اس گھبراہٹ اور کمزوری کا اظہار کرنے کے بعد مدیر رہبر اپنا ناصحانہ مشورہ مسلمان کانپور کو ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

"ہم یہ ضرور کہیں گے۔ کہ مسلم باشندگان کانپور خاص کر سوداگران بساط خانہ کے لئے اب یہ ضروری ہو گیا ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں اور نوجوانوں کو ان ایجنٹوں سے (مدیر صاحب کی تہذیب قابل داد ہے۔ ناقل) محفوظ رکھنے کی کوشش کریں تلاش حق کے اس فریب میں کسی مسلمان کو مبتلا نہ ہونے دیں . . . . جماعت احمدیہ کے کسی بھی مباحثہ میں کوئی مسلمان نہ جائے۔ کیونکہ احمدیت و قادیانیت کا تصور حضور کی توہین پر مستلزم ہے۔ غرض کھنیاں بازار کا نیا فتنہ افسوسناک ہے۔ ہم اسے مٹانے پر قادر نہیں ہیں لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس کے منحوس سائے سے خود دور رہ سکتے ہیں۔"

ایڈیٹر صاحب اخبار رہبر کے اس ناصحانہ مشورہ پر مسلمانوں نے ضرور عمل کیا ہوگا۔ مگر اس نصیحت کی اشاعت کے بعد ہی باقاعدہ ایک طے شدہ اسکیم کے مطابق ایک حکیم صاحب ہمارے مولانا صاحب کے پاس ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب پنجابی سوداگروں میں سے ایک دوست کے بلانے پر آئے تھے۔ اور مولانا بشیر احمد صاحب کو ملنے سے پہلے آپ نے ایک مرتب شدہ اسکیم کے مطابق چند غیر احمدی احباب کو مولانا کی جائے قیام پر پہلے ہی بھیج دیا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ آ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ انہوں نے دروازہ پر دستک دی۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یہاں آنے کے بعد انہوں نے بہت لاف زنی شروع کی اور یہ بتانے لگے کہ میں نے شملہ میں فلاں احمدی سے مناظرہ کیا فلاں جگہ مولانا محمد علی صاحب لاہوری سے میری یوں گفتگو ہوئی اور تان یہاں پر آ کر توڑی کہ مولانا صاحب سے فرمایا کہ کیا آپ مناظرہ کے لئے تیار ہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ کہ مناظرہ کی بات چیت صدر جماعت احمدیہ کانپور کی وساطت سے آپ طے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہی یہاں کے جملہ امور کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ اگلے روز انہوں نے ایک دستی چٹھی صدر جماعت احمدیہ کے نام بھیجی جس میں تحریر فرمایا۔ کہ آج کے سیاست اور سابقہ اخبارات کے دیکھنے سے یہ محسوس ہوا ہے۔ کہ یہاں مسلمانوں میں کوئی فتنہ رونما ہونے کو ہے۔ لہذا گذارش ہے کہ جناب اپنی یا ہماری اصلاح کے واسطے کوئی ایسا وقت عنایت فرما دیں خواہ مقام مخصوص پر یا عام جگہ پر جہاں سنجیدہ لوگ جمع ہو کر آپ کے اور ہمارے عقائد کے متعلق سوچ سمجھ کر صحیح رائے قائم کر سکیں۔ اور آپ اور ہم بھی صراط مستقیم (صراط مستقیم کو مولوی صاحب موصوف نے ص سے لکھنے کی بجائے حرف س سے تحریر فرمایا) پر تمام اختلافات کو مٹا کر اور عقائد باطلہ سے تائب ہو کر گامزن ہو سکیں۔

(ان کی یہ اصل چٹھی ہمارے پاس محفوظ ہے اور جس کسی صاحب کو دیکھنا مقصود ہو وہ ہمارے پاس آ کر دیکھ سکتا ہے۔ سیکرٹری) ان کی اس چٹھی کے جواب میں صدر صاحب جماعت احمدیہ کانپور کی طرف سے ایک چٹھی بھیجی گئی جس کے آخر میں یہ تحریر کیا گیا کہ جہاں تک جماعت احمدیہ کے بعض مسائل کا تعلق ہے۔ اس سلسلہ میں کانپور کے ایک معزز دوست مکرمی ظفر احمد صاحب کی معرفت بات چیت ہو رہی ہے آپ ان سے ملاقات فرما کر اس صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرما سکتے ہیں۔ جس کو آپ نے حرف سین سے (سراط) تحریر فرما کر اپنی قرآن دانی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی طرف سے پھر ہمیں کوئی جواب نہیں ملا۔ اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ لفظ صراط کو سین سے لکھنے کی انہوں نے کیا توجیہہ فرمائی ہے۔ البتہ اتنا پتہ چلا کہ اپنے رفقاء میں انہوں نے یہ فرمایا کہ ہماری قرآن دانی کا پتہ چل گیا یا ان کی قرآن دانی کا انہیں یہ پتہ نہیں۔ کہ امام شافعی نے سین سے سراط کی اجازت دی ہے۔ یہ بات ہمیں کسی کی معرفت معلوم ہوئی ہے اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ مولوی صاحب کے اصل الفاظ کیا ہیں۔ اور امام شافعی نے کہاں اس کی تشریح فرمائی ہے۔ بہر صورت اگر انہوں نے یہ دلیل دی ہے تو ہماری بات کا جواب نہیں۔ کیونکہ ہم نے تو انہیں قرآن کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن مجید نے ۲، لفظ کو حرف سین سے نہیں لکھا بلکہ صرف صاد سے لکھا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو قرآن مجید ناظرہ بھی پڑھا ہوا ہو وہ اس حقیقت سے واقف ہے۔ کہ قرآن مجید میں لفظ صراط حرف صاد سے لکھا گیا ہے پہ جائیکہ ایک عالم و مناظر جس کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ کئی اکھاڑوں میں احمدیوں کا مقابلہ کر چکا ہے۔ وہ اتنی فاش غلطی کرے کہ اس کو حرف سین سے تحریر کرے۔

مدیر رہبر کی نصیحت کے بعد ہمارا خیال تھا کہ مسلمان کانپور ان کی نصیحت پر پورا پورا عمل کریں گے۔ مگر مذکورہ مولوی صاحب کی آمد اور ان کے مذکورہ خط نے ہمارا خیال غلط ثابت کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی مورخہ ۲۹ / جنوری کے سیاست میں بھی ایک عجیب و غریب اعلان اہل سنت والجماعت کانپور کے بعض خادموں کی طرف سے شائع ہوا جس میں علمائے کرام اہل سنت والجماعت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی گئی اس اعلان کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"حضرت مولانا رفاقت حسین و مولانا محمد محبوب صاحب و مولانا فرید الدین صاحب بہاری توجہ فرماویں۔

عرصہ سے (جس عرصہ کو صرف چار پانچ دن گذرے تھے۔ ناقل) قادیانی مبلغ مولوی بشیر احمد صاحب مرزائی کانپور کھنیاں بازار آئے ہوئے ہیں۔ جو عام مسلمانوں کو چیلنج دے رہے ہیں۔ افسوس کہ ہم اہل سنت والجماعت ہو کر اس کا تدارک اب تک نہیں کر سکے۔ ہم بڑے کشمکش میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم دیوبندی علماء صاحبان کے پاس جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں تو وہ اس کا صاف جواب دیدیتے ہیں۔ کہ تمہارے علماء اہل سنت والجماعت نے ہم لوگوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ جب ہم لوگ تمہاری نظروں میں کافر ہیں۔ تو ہم لوگوں سے تمہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر تمہارے علماء اپنی مجبوری کی بنا پر اپنی معذوری ظاہر کر دیں۔ اور یہ تہیہ کریں کہ آئندہ سے انہیں کافر نہیں کہیں گے۔ تو ہم اس کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ آپ حضرات سے ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ آپ اس مرزائی فتنہ کا سدباب کریں۔ کیونکہ ہم جب اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم باطل کا مقابلہ کریں۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ جہاں آپ ایسی شخصیتیں ہوں وہاں لوگ مرتد ہو جائیں۔ اور ہم بیٹھے دیکھا کریں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کمر ہمت باندھ کر اس باطل کا مقابلہ کریں گے۔"

مندرجہ بالا اعلان میں احمدی مبلغ کے جس چیلنج کا تذکرہ اہل سنت والجماعت کے خادموں نے کیا ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا کہ جماعت احمدیہ کے مبلغ نے کس موقع پر کس مجلس میں یا کس اخبار میں اس چیلنج کو شائع کیا۔ اور ہم یہ سوچ رہے تھے کہ ان خادموں سے اس چیلنج کی بابت تفصیلی حالات معلوم کریں کہ مورخہ ۳۰ / جنوری کے سیاست میں مولوی محمد محبوب صاحب نے خود اپنی قلم سے اس چیلنج کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے حسب ذیل اعلان کیا۔

مسلمانان کانپور متوجہ ہوں

اخبار سیاست جدید مورخہ ۲۹ / جنوری ۱۹۵۳ء میں کنگھی محال کے چند مخلص اور ہمدرد مسلمانوں نے مجھ کو اور چند دوسرے علماء اہل سنت کو مخاطب کیا ہے۔ کہ قادیانی مبلغ کانپور میں آئے ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں کو چیلنج دے رہے ہیں۔

جواباً یہ عرض ہے کہ اب تک کسی قادیانی کا کوئی چیلنج مناظرہ میری نگاہ سے نہیں گذرا۔ اور نہ ہی میں نے کسی کی زبانی سنا۔ اگر کسی قادیانی نے چیلنج مناظرہ دیا ہے۔ تو باقاعدہ میرے علم میں آنا چاہیئے۔ میں ہر فرقہ باطلہ خواہ قادیانی ہو یا کوئی دوسرا اس کے چیلنج مناظرہ کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں"

فقیر محمد محبوب اشرفی صدر مدرس مدرسہ احسن المدارس پوچڑ خانہ کانپور۔

مولوی محمد محبوب صاحب کے اس واضح اعلان سے آپ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہوں گے۔ کہ وہ اعلان جو ۲۹؍جنوری کے سیاست میں بعض لوگوں نے کیا۔ اس میں محض ایک فرضی چیلنج اہل سنت والجماعت کے بعض خادموں نے ایک اکھاڑہ قائم کر کے علماء کرام کی کشتی کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔ مولوی محمد محبوب صاحب نے اس کو نہایت ہی صاف اور واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ کسی قادیانی کا کوئی چیلنج میری نگاہ سے نہیں گذرا۔

افسوس ہے کہ اہل سنت والجماعت کے ان خادموں نے ایک بے بنیاد اور غلط بات جماعت احمدیہ کے نمائندہ کی طرف منسوب کر کے فتنہ کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ ہمارا خیال تھا کہ مولوی محمد محبوب صاحب کے اس واضح اعلان کے بعد اہل سنت والجماعت کے خادموں کی تسلی ہو گئی اور ان کی گھبراہٹ میں کچھ کمی واقع ہو گئی ہو گی۔ مگر ہمارا یہ خیال بھی غلط تھا۔ کیونکہ اسی سلسلہ میں مورخہ ۳۱؍اگست کے سیاست میں ایک اور خادم اسلام کی جانب سے ایک اضطراری نوٹس مولٰنا ابو الوفاء شاہجہانپوری کے نام نکالا گیا۔ اس نوٹس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

فاتح قادیان مناظر اسلام حضرت مولٰنا الحاج ابو الوفاء صاحب نعمانی شاہجہانپوری مدظلہ ملاحظہ فرمائیں۔

آجکل کانپور میں ایک قادیانی مبلغ بساط خانہ میں مقیم ہے۔ اور اپنا جال پھیلا رہا ہے۔ اس وقت آپ جیسے مناظر اسلام اور فاتح قادیان کی یہاں پر سخت ضرورت ہے۔ لہٰذا آپ اپنا سب پروگرام ملتوی کر کے چند یوم کے واسطے یہاں تشریف لا کر قادیانی مذہب کا رد کیجئے۔ تاکہ دنیا دیکھ لے اور قادیانی مذہب سے واقف ہو جائے۔ آپ کا قیام مسجد امامن سرداز بیچ باغ کے خطیب حضرت مولانا قاری حافظ احتشام علی صاحب مدظلہ العالی کے یہاں رہے گا"

اس اضطرابی نوٹس کے ساتھ ہی ساتھ چند مشتہرین نے اس سابقہ فرضی چیلنج اور خیالی مناظرہ کی منظوری کا اعلان بھی اسی تاریخ کے سیاست جدید میں بایں الفاظ کر دیا۔

قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے سُنّی تیار ہیں

۲۹؍جنوری ۱۹۵۳ء کے اخبار سیاست جدید میں سرخی بعنوان حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب و مولانا محمد محبوب صاحب و مولانا فرید الدین صاحب ہماری متوجہ ہوں نظر سے گذرا۔ انتہائی افسوس کے ساتھ تحریر کرنا پڑتا ہے۔ کہ نبی بخش۔ رسول بخش وحسین بخش وعظیم ساکنان محلہ کنگھی محال جو کہ اس مضمون کے مشتہرین ہیں۔ اس مناظرہ کے لئے کسی بھی سُنّی عالم کے پاس نہیں آئے۔ حالانکہ خدا کے فضل سے کانپور میں متعدد سُنّی علماء موجود ہیں۔ بہر حال ہم اخبار سیاست جدید کے ذریعہ مرزا صاحب کو چیلنج کرتے ہیں۔ کہ وہ کسی دن اور کسی وقت بھی عوامی اور غیر جانبدارانہ جگہ مثلاً محمد علی پارک۔ حلیم کالج۔ پریڈ گراؤنڈ میں آ کر مناظرہ کر سکتے ہیں۔

المشتہرین۔ حافظ شبیر حسن۔ محمد یونس۔ محمد عمر۔ جینو پہلوان۔ نور الحسن ساکنان نئی سڑک کانپور

مندرجہ بالا اعلانات پر ہم اور ہمارے ملنے والے غیر احمدی احباب جو اصل حالات سے آگاہ تھے ان مشتہرین کی حرکت پر حیرت زدہ تھے۔ کہ کوئی بھی خدا کا بندہ پردہ ہٹا کر اصلیت کو سامنے لانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اور نہ ہی مولوی محبوب صاحب کے اس اعلان کا کوئی جواب دے رہا ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا کہ قادیانیوں کا کوئی چیلنج میری نظر سے نہیں گذرا۔ ہم روزانہ سیاست جدید کو اس شوق سے دیکھتے کہ آج اس چیلنج کا حوالہ ضرور اخبار میں شائع ہو گا۔ جو ہم نے یا ہمارے مبلغ صاحب نے کسی نامعلوم مقام پر اور نہ معلوم اخبار میں مسلمانان کانپور کو دیا تھا۔ مگر افسوس کہ اس فرضی چیلنج کے اصل الفاظ ہمارے سامنے نہیں آئے البتہ ایک نئے خادم اہل سنت والجماعت مولوی حمید اللہ صاحب نعمانی نے ایک نیا پلاٹ تیار کیا اور "قادیانی مبلغ مقیم نکھنیاں بازار اور اس کے حواری متوجہ ہوں" کے عنوان سے حسب ذیل مضمون اخبار سیاست جدید مورخہ یکم فروری میں شائع کیا۔ آپ تحریر کرتے ہیں۔

"اخبار سیاست جدید ۲۹؍جنوری ۵۳ء میں ایک مضمون کانپور کنگھی محال کے چند مسلمانوں کی طرف سے بعنوان مولانا رفاقت حسین وغیرہ شائع ہوا ہے اور جس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ بساط خانہ میں قادیانی مبلغ آیا ہوا ہے۔ اور مناظرہ کا چیلنج دے رہا ہے۔ ہم لوگ دیوبندی علماء کے پاس گئے۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ تمہارے مولوی صاحبان تو ہم کو کافر کہتے ہیں۔ ہماری وکالت سے تمہارا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ یا تو ان سے آئندہ کے واسطے یہ طے کرا دو۔ کہ ہم کو کافر کہنا بند کر دیں۔ تو ہم لوگ میدان میں آنے کو تیار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس مضمون کے الفاظ یہ بتلا رہے ہیں۔ کہ اس کے پردے میں کچھ اور ہے۔ اور وہ ہے قادیانی مذہب کے بانی کی پرانی عادت تھی مکر وفریب اور لوگوں کو ورغلانا۔ (کیونکہ مولوی حمید اللہ صاحب فرضی چیلنج دے رہے ہیں۔ اس لئے بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف فرضی اور غلط باتیں منسوب کرنا بھی جائز سمجھتے ہیں سیکرٹری)

لہٰذا میں بہت صفائی سے کہنا چاہتا ہوں۔ کہ تمہارے مقابلہ کے لئے علماء دیوبند، علماء بریلی وعلماء اہلحدیث مقلد وغیر مقلد سب متفقہ طور پر تیار ہیں۔ اور سب کے نزدیک تمہارا ارتداد مسلّم ہے۔

یہ ہمارے آپس کے اختلافات ہیں جو کہ فروعی ہیں۔ ہم سب تمہارے مقابلہ میں ایک ہیں۔ (الکفر ملۃ واحدۃ کا نظارہ کس جرأت سے پیش کیا جا رہا ہے۔ ناقل) اور تم کو شوق مناظرہ ہو تو میدان میں آ کر دعوت دو۔ (جبکہ ابھی کوئی دعوت ہی نہیں دی گئی تو اتنا شور و غوغا کیا۔ ناقل) اور تمہارے مقابلہ کے لئے مولانا رفاقت حسین و مولانا محمد حبیب صاحب اور بھی کانپور کے دیگر علماء اہل سنت والجماعت ہر وقت تیار ہیں۔ مگر یہ کہ تمہارے شیطانی مکر و فریب کا پردہ چاک کرنے کے واسطے اور ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرنے اور مرزائی مذہب کا پول کھولنے کے واسطے تیار ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے خادموں نے جو فرضی چیلنج پیش کیا۔ اس کی آڑ میں علماء کی طرف سے جو کچھ گوہر فشانی کی گئی اُسے آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ مولوی رفاقت حسین صاحب جنہیں مورخہ ۲۸؍جنوری کے اعلان میں قادیانیوں کے چیلنج کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔ وہ ان دنوں کانپور میں نہیں تھے۔ اور کسی خاص مہم کی سرانجام دہی کے لئے کانپور سے باہر گئے ہوئے تھے۔ جونہی کہ وہ کانپور واپس پہنچے اور ان کے کان میں بھی اس چیلنج کی بھنک پہنچی تو انہوں نے بھی یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں کہیں پیچھے رہ کر بے وفاؤں میں شمار نہ کیا جاؤں اور مجاہدین کی لسٹ سے میرا نام نہ کٹ جائے۔ اس فرضی چیلنج کی تحقیق کئے بغیر فوری طور پر ایک اعلان شائع کر کے مجاہدین کی لسٹ میں اپنا نام رجسٹرڈ کر لیا۔ مولوی رفاقت حسین صاحب کا یہ اعلان (جو میں آگے چل کر درج کروں گا) پڑھ کر مجھے اس مہترانی کا واقعہ یاد آ گیا جو کہ شاہی دربار میں جھاڑو دینے جایا کرتی تھی۔ اس نے سؤر پال رکھے تھے۔ شومئی قسمت سے ایک دن اس کا ایک لاڈلا سؤر کا بچہ مر گیا۔ مہترانی کو شاہی دربار میں جھاڑو دیتے دیتے اس سؤر کے بچے کا خیال آ گیا۔ اور وہ دربار کی ایک دیوار کے ساتھ اپنا سر رکھ کر رونے لگ گئی۔ اتنے میں دربار کا ایک چپڑاسی آیا۔ اس نے مہترانی کو روتے دیکھ کر یہ خیال کیا کہ اندر کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ اور مجھے اس کا پتہ نہیں لگا۔ اگر مجھے کسی نے دیکھ لیا کہ میں نہیں روتا۔ تو مجھ پر بے وفائی کا شبہ کر لیا جائے گا۔ اس لئے وہ بھی رونے لگ گیا۔ پھر چوبدار آیا۔ اس نے بھی خیال کیا کہ یہ دونوں رو رہے ہیں ضرور کوئی واقعہ ہوا ہے۔ مجھے پتہ نہیں لگا۔ اگر کوئی شخص آ گیا اور اس نے مجھے دیکھ لیا کہ میں نہیں رو رہا۔ تو وہ ضرور یہ سمجھے گا کہ مجھے بادشاہ سلامت سے کوئی ہمدردی نہیں۔ یہ خیال کر کے وہ بھی مصنوعی طور پر رونے لگا۔ پھر کلرک آئے انہوں نے بھی ان کو دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ حتی کہ چھوٹے افسران آئے۔ درباری آئے۔ وزراء آئے۔ تو انہوں نے خیال کیا کہ ہمارا تو کام تھا کہ ہم ہر وقت خبر رکھیں۔ لیکن ہمیں اس حادثہ کا کوئی علم نہیں۔ ضرور کوئی واقعہ ہوا ہے جس وجہ سے یہ لوگ رو رہے ہیں۔ اگر ہم نہ روئے تو ہم پر بے وفائی کا شبہ ہو گا یہ خیال کر کے وہ بھی رونے لگے۔ اتنے میں بڑا وزیر آیا۔ وہ کچھ عقلمند تھا۔ اس نے اس حالت کو دیکھا لیکن وہ رونے میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا۔ اس نے پاس والے وزیر سے دریافت کیا کہ کیا واقع ہوا ہے۔ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ پاس والے رو رہے تھے اس لئے میں بھی رونے لگ گیا۔ چنانچہ جب اس سے اگلے سے پوچھا گیا تو اس نے بھی کہا مجھے علم نہیں میرے ساتھ والا رو رہا تھا۔ آخر ہوتے ہوتے بات مہترانی تک پہنچی۔ اور حقیقت حال معلوم ہوئی۔ بالکل یہی حالت کانپور کے علماء کرام کی ہے۔ اور جونہی کہ مولانا رفاقت حسین باہر سے آئے انہوں نے بھی بلا تحقیق شامل ہونا اپنا فرض اولین سمجھا۔ اے کاش کہ مولوی رفاقت حسین صاحب باہر سے آ کر اتنی تو تحقیق کر لیتے کہ آخر واقع کیا ہے۔ اور اس چیلنج کو منگوا کر دیکھتے جو کہ احمدیوں کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ لیکن اگر جماعت احمدیہ کی طرف منسوب کردہ فرضی چیلنج کی قبولیت کا اعلان کرنے میں ان کی طرف سے دیری ہوتی تو ان کی وفاداری میں شبہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے فوراً بلا سوچے سمجھے ایک اعلان شائع کر دیا۔ یہ اعلان مورخہ ۲؍فروری ۵۳ء کے سیاست جدید میں شائع ہوا۔ اعلان کا عنوان اور مضمون حسب ذیل ہے:۔

مسلمانانِ کانپور کو فتنہ قادیانیت سے پریشانی اور مفتیٔ اعظم کانپور کا اعلان۔

میں تبلیغی جماعت کی شورش سے متاثر علاقہ

سیتاپور سے آج شام واپس آیا۔ معلوم ہؤا ہے کہ کانپور میں فتنہ قادیانیت نے سر اٹھایا ہے۔ نیز اخبار سیاست جدید دکھایا گیا۔ جس میں حضرات علماء اہل سنت سے درخواست امداد ہے۔ چونکہ میرا نام بھی مراسلہ نگار دے رہے اس لئے یہ چند سطور بطور اعلان سپرد اخبار کئے جاتے ہیں۔ ان مشتہرین اہل سنت سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا تم علماء اہل سنت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اس دینی خدمت سے تساہل برتی یا انکار کیا۔ اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو یہ طرز تحریر بالکل بے محل ہے۔ علماء دیوبند کا جواب کہ علماء اہل سنت ہماری تکفیر چھوڑیں۔ اور اپنی معذوری ظاہر کریں۔ تو ہم قادیانیوں سے مناظرہ کر سکتے ہیں یہی ان کی باطل پرستی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کہ ان کو اپنی عزت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت سے زیادہ عزیز ہے۔ کہ پہلے ان کی عزت اور سب سے بڑی عزت ایمان تسلیم کر لیا جائے تب وہ عزت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے حملوں کا جواب دیں گے قرآن مجید انتہائی واضح الفاظ میں اعلان فرماتا ہے کہ کب ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا پھر قابل لحاظ یہ امر ہے۔ کہ قادیانیت کے بیج بوئے ہوئے کس کے ہیں قاعدہ تو یہ تھا کہ جو بوئے وہ کاٹے۔ تحذیر الناس کس کی کتاب ہے۔ جس میں روئے زمین پر سب سے پہلے لکھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا عوام الناس کا خیال ہے۔ کیا قادیانی کچھ اور کہتے ہیں جو علماء دیوبند لکھتے مانتے ہیں یہی قادیانی کہتے ہیں۔ اہل سنت دونوں کو ختمیت کا منکر سمجھتے اور مانتے ہیں۔ اگر یہ علماء دیوبند جن سے تم لوگوں نے گفتگو کی ہے اپنی کفری عبارات سے توبہ کریں۔ تو اہل سنت یقیناً انہیں معاف کر دیں گے۔ اور خود بخود حکم تکفیر اٹھ جائے گا۔ اگر اگر قادیانی چیلنج دے رہے ہیں تو ہم ان کا اور منکر عزت و عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چیلنج منظور کرتے ہیں۔ تحریری صورت میں مقام و تاریخ کا تعین ضروری ہے۔

رفاقت حسین ۱۴ جمادی الاول ۷۶ھ

مولوی رفاقت حسین صاحب کے اعلان سے پہلے قارئین کرام مولوی حبیب اللہ صاحب نعمانی کا اعلان ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مولوی رفاقت حسین صاحب کی قلم سے جو کچھ نکلا اس نے مولوی حبیب اللہ صاحب نعمانی کے مضمون کی کس طرح دھجیاں اڑا کر رکھدی ہیں۔ اور وہ فرضی اتحاد جس کا نعرہ نعمانی صاحب نے جماعت احمدیہ کے مقابلہ پر لگایا اسکی اصلیت خود انہی کے ایک عالم نے یہ کہہ کر ظاہر کر دی کہ علماء دیوبند کو بھی ہم ختمیت کا منکر سمجھتے ہیں۔ اور وہ بھی ہمارے نزدیک کافر ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! آپ نے دیکھا کہ اپنی جھوٹی شہرت اور نمود کی خاطر علمائے کرام کیا کچھ حرکتیں کر رہے ہیں۔ احمدی مبلغ کی آمد پر جماعت احمدیہ کی طرف سے جو کچھ ہؤا اور جو چیلنج احمدی مبلغ نے دیئے اس کی تفصیل آپ کے سامنے ہے۔ اس کے مقابل پر اہل سنت والجماعت کے خادموں اور عالموں کے بیانات آپ کے سامنے ہیں۔ آپ ہر دو کو سامنے رکھ کر اصل نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ کانپور میں جو کچھ ہؤا یا ہو رہا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ابتدائے آفرینش سے خدا کے برگزیدہ انسان آسمانی پیغام لے کر آتے رہے۔ وہ خدا کا نور اور اہل دنیا کے ہمدرد و خیر خواہ تھے۔ مگر تاریکی کے فرزندوں نے ہمیشہ اس نور کا انکار کیا۔ اور اس کے بجھانے کے در پے ہو گئے۔ آسمانی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ خدا کے راستباز۔ وفادار زمینی لوگوں کی زبان سے کاذب۔ فریبی اور دجال قرار دیئے گئے ان پر پتھر برسائے گئے۔ الغرض نسل آدم کے کثیر حصہ نے آدم کے بہترین فرزندوں کے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ اور احمدیہ جماعت کے ساتھ بھی اس الٰہی سنت کے مطابق اس قسم کا برتاؤ ہونا ضروری ہے پس یہ مخالفت ہمارے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہے۔ کہ ہمارے مخالفین ہمارے ساتھ وہی سلوک کر رہے ہیں۔ جو الٰہی جماعتوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے پس ہم خوش ہیں کہ خدا تعالیٰ نے احمدیت کی نعمت ہمیں عطا کی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ احمدیت اس زندہ اور کامل یقین کا نام ہے۔ جو انسان کا منتہائے مقصد ہے۔ وہ یقین انسان میں ایک پاک تبدیلی پیدا کر کے اس کے سفلی خیالات اور ناپاک جذبات کو بھسم کر کے اس کو آسمانی اور روحانی وجود بخشتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خالص توحید۔ ملائکہ۔ کتب آسمانی۔ رسل ربانی۔ قیامت۔ حشر و نشر اور سب ایمانیات کے ماننے کا نام احمدیت ہے۔ گویا احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ مسلمان کہلانے والے اسلام کے مغز سے بے بہرہ تھے۔ عالم باہم دست و گریبان ہو رہے تھے۔ امراء عیش پرستی میں منہمک تھے۔ اسلام ان کی زبانوں پر تھا۔ مگر دل ایمان سے خالی تھے۔ وہ اسلام کے دعویدار تھے۔ مگر اسلام کو ان کے نام سے عار تھی۔ وہ بعض اسلامی اعمال بجا لاتے تھے۔ مگر روحانیت سے خالی تھے۔ اس حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک شاعر نے یہ کہا ہے ؎

اے خدائے دو جہاں مسلم کو پھر مسلم بنا
پھر یہ منوا دے کہ مسلم کا کوئی ثانی نہیں
اپنی پامالی کا یا رب ہم کو خود ہے اعتراف
ہم مسلماں ہیں لیکن ہم میں مسلمانی نہیں
(رسالہ صوفی)

پھر اقبال کہتے ہیں ؎

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی
رہ گیا فلسفہ۔ تلقینِ غزالی نہ رہی

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے عقائد خراب ہو چکے تھے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید سے غافل اور اس کے سب سے بڑے اور پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے بے خبر تھے۔ انہوں نے نصاریٰ کی اتباع میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق غلو سے کام لیا اور وہ جو رسولاً الیٰ بنی اسرائیل تھا اس کو امت محمدیہ کا نجات دہندہ خیال کیا۔ ان کے نزدیک نبی اکرم کے خدام میں سے کوئی اس قابل نہ ہو سکتا تھا۔ جو امتِ محمدیہ کی بگڑی بنا دیتا کہ ناگہاں ہدایت کے تتر پر مجدد صدی چہار دہم نبی اللہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تجدید دین کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور آپؑ نے صحیح طور پر اسلامی عظمت کو قائم کیا۔ اگرچہ دوسرے فرقوں سے ہمارا عملاً نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ان اعمال کے نتیجہ میں جو روحانیت خلوص پیدا ہونا چاہیئے۔ وہ ان میں نہیں اور خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ ان اعمال کے نتیجہ میں جو روحانیت۔ خلوص اور اللہ تعالیٰ سے شرف مکالمہ و مخاطبہ ہونا چاہیئے وہ آج احمدیت کا طغرائے امتیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہم ان مسلمانوں کے مقابلہ میں ابھی تک بہت ہی قلیل التعداد ہیں۔ لیکن ہم دنیا میں جس سرفروشی کے ساتھ اسلام کو پھیلانے میں کوشاں ہیں اور اپنے تن من اور دھن سے اس عظیم الشان خدمت میں لگے ہوئے ہیں وہ ایک امتیازی شان ہے جس کا اپنے و بیگانے سب اعتراف کرتے ہیں۔

اس روح کے علاوہ وہ لحاظ عقیدہ ذیل امور میں ہمارا دوسرے مسلمانوں سے اختلاف ہے (اول) دوسرے مسلمان حضرت مسیح کو بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ مانتے ہیں۔ لیکن ہم آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ کی روشنی میں ان کو جملہ انبیاء کی طرح فوت شدہ یقین کرتے ہیں۔

(دوئم) دوسرے مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی و غیر تشریعی نبوت بند ہے۔ اور امت محمدیہ کے لوگ اس نعمت سے کچھ بھی حصہ نہیں پا سکتے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ بلاشبہ تشریعی نبوت بند ہے ایسا نبی کوئی نہیں آ سکتا۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے بہرہ ور نہ ہو ہاں ایسے نبی آ سکتے ہیں۔ جو شریعت اسلامیہ کے ماتحت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے یہ انعام پانیوالے ہوں کیونکہ ایسے انبیاء کا آنا اسلام کی شان کو بلند کرنے کا موجب ہے۔ اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کا اظہار ہوتا ہے۔

(سوئم) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آنے والا موعود امت محمدیہ کا مصلح جسم سمیت آسمان سے نازل ہوگا۔ اور وہ خود حضرت مسیح ہوں گے۔ جو آج سے دو ہزار سال پہلے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے آئے تھے۔ اور جن کو رسولاً الیٰ بنی اسرائیل کہہ کر بنی اسرائیل کیلئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہمارا یقین ہے۔ کہ امت محمدیہ کا مصلح اور مجدد اسی امت میں سے پیدا ہونا تھا۔ اور وہ موعود سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود باجود میں ظاہر ہو چکا۔ یہی اعلان تھا۔ جو ہمارے فاضل مبلغ کی طرف سے ۲۵ جنوری کے اجلاس میں کیا گیا۔ اور میں ایک بار پھر اس اعلان کو دہرا دیتا ہوں۔ اور یہ بھی عرض کرتا ہوں۔ کہ مندرجہ بالا ہر سہ مسائل کے متعلق جماعت احمدیہ کانپور ہر وقت بات چیت کرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ہم کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہتے۔ جو بدامنی کا موجب ہو۔ اور گورنمنٹ ہند کے لئے تکلیف کا باعث ہو۔ اس لئے سنجیدگی کے ساتھ اور پُر امن فضا میں جو دوست ہر ان مسائل کے متعلق بات کرنا چاہیں۔ وہ کر سکتے ہیں۔ اجتماعی بات چیت یا مناظرہ کے لئے ہماری طرف سے بعض اصول و شرائط پیش کی جا چکی ہیں۔ جن کی تفصیل مکرم ظفر احمد صاحب شمسی کے پاس موجود ہے۔ دوست ان سے مل کر ان شرائط کی تفصیل معلوم کر سکتے ہیں۔ اور جب بھی ان شرائط کے مطابق کوئی سنجیدہ اور غور و فکر کرنے والی مجلس بیٹھے گی تو انشاء اللہ ہم اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔ فقط

سیکرٹری جماعت احمدیہ کانپور

فہرست وعدہ جات تحریک جدید!

جن جماعتوں اور احباب کی طرف سے ۹ر فروری ۱۹۵۳ء تک وعدہ جات تحریک جدید دفتر وکیل المال تحریک جدید میں موصول ہو چکے ہیں۔ ان کی جماعت وار فہرست ذیل میں شائع کی جارہی ہے۔ ان جماعتوں کے وعدوں کی فہرست حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں بھی بغرض دعا پیش کی جاچکی ہے۔ وہ احباب اور جماعتیں جنہوں نے تاحال اپنے وعدے نہیں بھجوائے ان کو چاہیئے کہ جلد از جلد اپنے وعدے مرکز میں بھجوا دیں۔ تاکہ ان کا نام بھی حضور کی خدمت میں آخر فروری تک دعا کے لئے پیش کی جانیوالی فہرست میں شائع ہو سکے۔

عہدیداران مال کا فرض ہے کہ وہ حضور اقدس ایدہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں جماعت کے ہر فرد سے وعدہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ نیز جو احباب فوری طور پر رقم کی ادائیگی کر سکتے ہوں ان کو اپنے سو فیصدی وعدے ادا کر کے سابقون الاولون میں شامل ہونا چاہیئے۔ (وکیل المال تحریک جدید قادیان)

نمبر شمار	نام جماعت	وعدہ جات دفتر اول	وعدہ جات دفتر دوم	کیفیت
۱	قادیان	۲۴۴۹-۸-۰	۲۳۱۲-۱۲-۰	
۲	سکندر آباد	۹۶۰۴-۸-۰	۴۱۹-۴-۰	
۳	فیض آباد	۵۵-۰-۰	—	
۴	چک سکن	۴۵-۰-۰	۶-۰-۰	
۵	پرکھو پٹی	۲۷۶-۲-۰	۵-۱۰-۰	
۶	مونگھیر	۲۸۶-۰-۰	۳۵-۵-۰	
۷	آسنور	۸۰-۴-۰	—	
۸	کوٹ پلہ	۱۷-۸-۰	—	
۹	پیری پارہ	۴۵-۰-۰	—	
۱۰	ٹیل چری	۳۳-۰-۰	۲۹-۰-۰	
۱۱	یادگیر	۱۴۸۸-۰-۰	۲۷۲-۱۳-۰	
۱۲	دینگورلہ	۶۱-۴-۰	—	
۱۳	پٹنہ	۳۵۱-۰-۰	—	
۱۴	بھاگلپور	۱۱-۱۲-۰	۱۲۰-۵-۰	
۱۵	ہرگل	۳۶-۴-۰	۱۵۰-۱۲-۰	
۱۶	پوری	۴۰-۰-۰	۲۵-۲-۰	
۱۷	بمبئی	۱۰۳-۰-۰	۳۰-۰-۰	
۱۸	بھرت پور	۴۱-۰-۰	۴۰-۰-۰	
۱۹	جمشید پور	۲۲۷-۰-۰	۴۷-۰-۰	
۲۰	کالی کٹ	۳۶-۰-۰	۱۹۷-۱۳-۰	
۲۱	بنگلور	۶۲۰-۸-۰	۷۸-۰-۰	
۲۲	حیدر آباد	۶۳۰۶-۱۱-۰	۱۱۵۲-۲-۰	
۲۳	مظفر پور	۶۳۳-۰-۰	۲۰-۰-۰	
۲۴	ڈبر وگڑھ	۴۱-۰-۰	—	
۲۵	کانپور	—	۵۰-۰-۰	
۲۶	منار گھاٹ	—	۴۱-۰-۰	
۲۷	باندہ	—	۱۸-۱۱-۰	
۲۸	ممبئی	—	۱۵۰-۹-۰	
۲۹	مونگھیر	۲۴۶-۰-۰	۶۱-۸-۰	
۳۰	بے پور	۸۰۹۸-۰-۰	—	
۳۱	کلکتہ	۱۰۱-۰-۰	—	
۳۲	گیا	۵۰	—	

تحریک درویش فنڈ

میں حصہ لینا

ہر صاحب استطاعت احمدی کا فرض ہے!

چونکہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے مستقل اخراجات کا بوجھ برداشت کرنے کی متحمل نہ تھی۔ اس لئے یہ معاملہ ۱۹۵۱ء کے جلسہ سالانہ پر جملہ نمائندگان جماعتہائے احمدیہ ہندوستان کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اور احباب جماعت کے متفقہ فیصلہ کی روشنی میں یہ طے پایا تھا۔ کہ اس غرض کے لئے جماعتہائے ہندوستان کے صاحب توفیق مخیر احباب کو خاص تحریک کی جائے۔ اس عرصہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایک ارشاد موصول ہوا کہ جسطرح درویشوں کے اہل و عیال مقیم پاکستان کی امداد کے لئے پاکستان میں ایک علیحدہ امداد درویشان کی تحریک اُن کی طرف سے کی جاتی ہے۔ اسی طرح صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے بھی درویشوں کی ضروریات کے لئے صاحب ثروت احباب سے خاص امداد کی تحریک کی جائے۔ نیز اس تحریک کو حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی پسند فرمایا اور اس سلسلہ میں تاکیدی ارشاد فرمایا کہ:-

"ہمارا فرض ہے کہ ہم قادیان میں رہنے والے درویشوں کی دلجمعی کی پوری کوشش کریں"

چنانچہ نظارت ہذا کی طرف سے جماعت ہائے احمدیہ ہندوستان کے متعدد احباب کے نام درویش فنڈ کی تحریک بھجواتے ہوئے اپنا ماہوار یا بالمقطوع وعدہ بھجوانے کی تحریک کی گئی اور بذریعہ اعلانات اخبار اور انفرادی خطوط کے کئی بار دوستوں کو توجہ دلائی گئی۔ کہ وہ شعائر اللہ کی حفاظت اور خدمت کرنے والے درویشوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے درویش فنڈ میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر فرض شناسی کا ثبوت دیں۔

حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک مکتوب تحریر فرماتے ہیں:-

" دراصل قادیان کو آباد رکھنا ساری جماعت کا فرض ہے۔ لیکن تقدیر الٰہی کے ماتحت ایک حصہ کو قادیان سے نکلنا پڑا۔ اور دوسرا حصہ قادیان میں آباد ہونے کی توفیق نہیں پا سکا۔ اور صرف قلیل حصہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ کہ وہ موجودہ حالات میں قادیان میں ٹھہر کر خدمتِ دین بجا لاویں۔ پس دوسروں کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی خدمت اور آرام کا خیال رکھیں اور انہیں کم از کم ایسی مالی پریشانیوں سے بچائیں جو توجہ کے انتشار کا موجب ہو۔ حقیقتاً ہم پر یہ درویشوں کا احسان ہے کہ وہ بھاری قربانی کر کے قادیان میں ہماری نمائندگی کر رہے ہیں۔ پس یہ امداد ہرگز صدقہ یا خیرات کے رنگ میں نہیں بلکہ ایک محبت کا تحفہ ہے جو شکرانہ اور قدر دانی کے رنگ میں ہم باشندہ ہندوستانی دوست درویشوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔"

پس احباب جماعت کا فرض ہے کہ وہ حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت صاحبزادہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا ارشادات کی روشنی میں تحریک درویش فنڈ کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھتے ہوئے حسب توفیق زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر خدمت دین کے اس خاص موقعہ سے فائدہ اٹھائیں جو دوست اس تحریک میں مستقل طور پر ماہوار ادائیگی کا وعدہ کر سکیں۔ بہتر ہو انکو بھی کہ وہ بالمقطوع اس مد میں کچھ نہ کچھ رقم ادا کر کے شعائر اللہ کی خدمت کے ثواب میں ایک حد تک شریک ہوں۔ (ناظر بیت المال قادیان)